يَآ أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ [القرآن]

دعوتی، اصلاحی

فکری اور تعلیمی مجلہ

تبلیغ القرآن پشاور

دوماہی

جلد 3 شمارہ 4

جولائی/اگست 2016ء ، رمضان/شوال ۱۴۳۷ھ

نگران
مولانا مفتی محمد ایاز دُرانی

مدیر
مولانا سید کفایت بخاری

مدیر منتظم
مولانا حشمت علی صافی

یکے از مطبوعات جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

فہرست مضامین

تفسیر القرآن
ضیاء البیان فی تفسیر القرآن ..... علامہ عطاء اللہ بندیالوی 3
تفسیر الحدیث
آخرت میں پانچ سوال ..... ادارہ 6
خطبۂ عید
عید کا پیغام ..... نگران اعلیٰ 8
اصلاح عقائد و اعمال
بدعات کیوں حرام ہیں؟ ..... مولانا مفتی محمد تقی عثمانی 11
تزکیہ و تربیت
دنیا یا سرائے ..... خالد رحمٰن 16
تعمیر فکر و کردار
رویے کی تبدیلی ..... یاسر محمد خان 18
مغرب اور اسلام
انسانی حقوق، اسلامی تعلیمات، سیرت طیبہ اور مغربی تصور ..... علامہ زاہد الراشدی 21
نجوم احادیث
مرد اس کا بیٹا ..... عبد اللہ فارانی 29
حالات حاضرہ
مولوی اور معاشرہ ..... اوریا مقبول جان 31
پاکستانیات
وطنِ عزیز کی قدر کیجئے! ..... ڈاکٹر دوست محمد خان 36
دار الافتاء
دینی مسائل ..... مولانا مفتی محمد ایاز صاحب 41
فکر و دانش
دین کا کام محض خواہش و تمنا نہیں ..... ادارہ 43
معیشت و تجارت
آجر اور اجیر ..... خالد رحمٰن 44
مقالات و مضامین
موجودہ دور کے فکری چیلنجز ..... محمد سمیع اللہ سعدی 46
گوشۂ خواتین
میں کیوں مسلمان ہوئی؟ ..... انور غازی 53
اخبار و احوال
جامعہ و ملحقہ شعبہ جات کے معمولات و سرگرمیاں ..... انجینئر شمس الحق آفریدی 58

قیمت فی شمارہ 30 روپے زر سالانہ ——— 160 روپے
سالانہ زر تعاون بیرون ممالک: 20 ڈالر
بینک اکاؤنٹ نمبر: 012003200-8
بینک کوڈ: 0864
الائیڈ بینک لمیٹڈ فقیر آباد برانچ پشاور پاکستان۔
برائے رابطہ:
فون: 300 45 22-91-92+، موبائل: 151 93 93 333(0)92+

مجلس ادارت
پروفیسر ڈاکٹر محمد عمر
پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان
مولانا ڈاکٹر اکرام الحق یاسین
مولانا ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف
انجینئر میاں محمد الیاس
پروفیسر سید طاہر شاہ

مجلس مشاورت
مفتی ضیاء الحق
جناب یوسف ظفر
مولانا سمیع اللہ
مفتی محمد حسین
ابو ثاقب شکیل احمد

خط و کتابت کا پتہ
مجلہ "تبلیغ القرآن"
جامعہ تبلیغ القرآن
یوسف آباد ولہ زاک روڈ پشاور پاکستان۔
ای میل
mujalla.jamiatq@gmail.com
ویب سائٹ
www.alishaat.com

پبلشر: حشمت علی صافی
پرنٹر: العلم پبلشنگ سروسز
ترسیل انچارج
قاری احتشام الحق
0333-9393151

تعلیم القرآن

ضیاء البیان فی تفسیر القرآن

علامہ عطاء اللہ بندیالوی

﴿سورۃ البقرہ (۱۱۳۔۱۱۹)﴾

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ:

- یہود کہتے ہیں عیسائی کسی سچائی پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی کسی سچائی پر نہیں حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں، اسی طرح اس قسم کے دعوے ان لوگوں نے بھی کئے جن کے پاس کوئی (آسمانی) علم نہیں ہے، جن اختلافات میں یہ لوگ پڑے ہوئے ہیں ان کا فیصلہ اللہ قیامت کے دن کر دے گا۔
- اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کے ذکر سے روکے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے، ایسے لوگوں کو ڈرتے ہوئے ہی ان (مسجدوں) میں جانا چاہیے ان کے لیے دنیا میں ذلت ورسوائی ہے، اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔
- اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں تم جس طرف بھی منہ کرو اسی طرف اللہ کا رُخ ہے بلا شبہ اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

- اور وہ کہتے ہیں اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے حالانکہ اس کی ذات ان باتوں سے پاک ہے بلکہ زمین وآسمان کی تمام مخلوق اسی کی ملکیت ہے سب کے سب اس کے فرمانبردار ہیں۔
- وہ زمین وآسمان کو (بغیر مادہ کے) ابتداءً بنانے والا ہے اور وہ جب کس کام کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ ہو جاتا ہے۔
- (اسی طرح) نادان لوگوں نے کہا کہ اللہ خود ہم سے ہمکلام کیوں نہیں ہوتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی (معجزہ) کیوں نہیں آتی ایسی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے ان سب کے دل یکساں ہیں، یقین والوں کے لیے ہم نشانیاں واضح طور پر بیان کر چکے ہیں۔
- (اس سے بڑی نشانی کیا ہو گی کہ) ہم نے آپ کو حق بات دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور دوزخیوں کی بابت آپ سے بازپرس نہ ہو گی۔

تفسیر وتشریح:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ ...

یہود کا کہنا تھا کہ نصاریٰ حق پر نہیں اور نصاریٰ کا خیال تھا کہ یہودی صحیح دین پر نہیں اور یہ دونوں تورات اور انجیل کے ماننے اور پڑھنے والے ہیں، مشرکین عرب جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی وہ بھی اس باطل خیال پر تھے کہ ہم ہی حق پر ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ ...

بعض مفسرین نے کہا کہ مراد نصاریٰ ہیں جنہوں نے یہود کو بیت المقدس سے نکالا اور اسے مسمار کر دیا (ابن جریر) کچھ مفسرین کا خیال ہے مراد مشرکین مکہ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو بیت اللہ سے نکالا اور حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو روک کر اس عمل کو دہرایا (ابن کثیر) مگر بہتر یہ قول ہے کہ آیت اپنے عموم پر رہے مراد وہ شخص ہے جو مساجد کو ویران کرتا ہے، چاہے گرا کر یا شرک پھیلا کر یا توحید بیان کرنے سے منع کر کے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ...

یہودِ مدینہ کہتے عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے۔ نصاریٰ کا عقیدہ تھا عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ ہے، مشرکین مکہ کا عقیدہ تھا فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اس آیت میں تینوں کی تردید ہو رہی ہے۔ ایک بات یاد

رکھیے اِتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا (اللہ نے اولاد بنائی) سے یہ حقیقت سمجھ آرہی ہے کہ یہ لوگ اللہ کے لیے حقیقی اولاد ثابت نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ ہمارے نبی اللہ کو اتنے محبوب ہیں کہ اللہ نے ان کو بیٹا بنالیا ہے، مطلب یہ ہوتا کہ جس طرح باپ اپنے کچھ اختیار بیٹے کے حوالے کر دیتا ہے، اسی طرح اللہ نے بھی کچھ اختیار ان کے حوالے کر دیئے ہیں یا جس طرح باپ اپنے بیٹے اور بیٹی کی بات اور فرمائش کو رد نہیں کرتا اسی طرح اللہ بھی ان کی سفارش کو رد نہیں کرتا، اس مفہوم کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کے علماء اور پیر عوام الناس سے یہ بھی کہتے تھے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ ہم بھی اللہ کے بیٹے یعنی اس کے پیارے ہیں۔ آج ہمارے معاشرے میں بھی اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اللہ ہماری سنتا نہیں اور ان کی موڑتا نہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کے پیارے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل عقیدے کا رد فرمایا کہ اللہ کی ذات اس قسم کی خرافات سے پاک ہے، زمین وآسمان کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے، ہر چیز اس کی مطیع ہے۔ آسمان وزمین کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے، پھر وہ اتنی طاقت وقوت والا ہے کہ کسی چیز کا ارادہ کر دے تو وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ ایسی ہستی کو کیا ضرورت ہے کہ اپنے کچھ اختیار کسی اور کے حوالے کر دے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ ط ...

بعض مفسرین نے اس سے مراد مشرکین مکہ لیے ہیں، بہتر یہ ہے کہ مراد تینوں گروہ ہوں یہود، نصاریٰ، مشرکین مکہ۔۔۔ جاہلانہ حرکتوں کی وجہ سے یہود ونصاریٰ کو بھی لَا یَعْلَمُوْنَ کہہ دیا گیا، جواب دیا کہ یہ کوئی نیا اعتراض نہیں ہے ان سے پہلے ضدی اور عنادی لوگ اپنے اپنے نبیوں سے اسی طرح بے جا اور لایعنی مطالبے کیا کرتے تھے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۹﴾

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کے لیے تسلی ہے۔

﴿بے کار آدمی﴾

میں کسی آدمی کو دیکھتا ہوں اور وہ مجھے پسند آتا ہے، مگر جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی کام نہیں کرتا تو وہ میری نگاہوں سے گر جاتا ہے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

تعلیم الحدیث

آخرت میں پانچ سوال

ادارہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ، لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ ، عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ؟ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ؟ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اِكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ؟ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ؟ [ترمذی]

ترجمہ:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: (قیامت کے روز) ابن آدم (انسان) کے دونوں قدم اللہ کے حضور میں اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکیں گے جب تک اس سے پانچ سوال نہ کر لیے جائیں:

(۱) عمر کن کاموں میں کھپائی (۲) جوانی کن کاموں میں لگائی (۳) مال کن ذرائع سے کمایا (۴) اور کن کاموں میں صرف کیا (۵) اور جو علم حاصل ہوا اس پر کہاں تک عمل کیا۔

تشریح:

حشر کے میدان میں ہر شخص سے خواہ وہ مرد ہو یا عورت لازما پانچ باتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ان پانچ سوالوں کا جب تک وہ شخص جواب نہ دیدے اللہ کے حضور سے اُسکے قدم ہٹ نہیں سکتے۔ دراصل یہ زندگی ایک مہلت عمل ہے جس میں ہر طرح کے وسائل وذرائع دے کر یہ موقع دیا گیا ہے کہ آدمی ان پانچ سوالوں کے جواب تیار کرے۔ یہ پانچ سوال کیا ہیں؟ اللہ عزوجل کے رؤف اور رحیم رسول ﷺ نے ان کی تفصیل دنیا ہی میں بتادی ہے۔

(۱) زندگی کن کاموں میں کھپائی؟ (۲) جوانی کن کاموں میں گزاری (۳) مال کن ذرائع سے کمایا؟ (۴) مال کن مدوں میں صرف کیا؟ (۵) اور جو علم حاصل تھا اس پر کہاں تک عمل کیا؟

ان پانچ سوالوں کے صحیح جواب دینے والا کامیاب ہے۔ اور جو بندہ ان سوالوں کے صحیح جواب مہیا نہ کر سکا وہ ناکام ہے۔ آخرت کی دائمی کامیابی اسی پر منحصر ہے کہ انسان شعور، سنجیدگی، فکر مندی، لگن اور تن

دہی کے ساتھ ان سوالوں کا صحیح جواب دینے کے لیے خود کو تیار کرے اور پوری زندگی اس دن کی کرنے کے لیے لگا دے۔

انسان کو شعور ہو یا نہ ہو، وہ چاہے یا نہ چاہے، وہ ان پانچ سوالوں کو متعین طور پر جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، اور وہ یونہی لاپروائی اور غفلت کی زندگی گزار رہا ہو۔ ہو نا بہر حال یہی ہے کہ وہ چارو ناچار ایک دن حشر کے دربار میں کھڑا ہوگا اور اس سے یہ پانچ سوال کیے جا رہے ہوں گے۔ اور اس وقت تک وہ اپنے قدم اللہ کے حضور سے ہٹا نہ سکے گا جب تک جواب نہ دے۔ خوش نصیب انسان وہ ہے جو اس زرین موقع کو ضائع نہ ہونے دے اور شعور کی زندگی گزارے۔ ورنہ کل پچھتانے کے سواء کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ مہلت عمل جو آج حاصل ہے کل حاصل نہ ہوگی اور پھر کبھی حاصل نہ ہوگی۔

ندائے حق

عید کا پیغام

نگران اعلیٰ

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے ہیں، دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لیے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی دو دن رکھے گئے ہیں۔ ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحی (عید قربانی)۔ بس یہی مسلمانوں کے اصل مذہبی و ملی تہوار ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں ان کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ (بقر عید) دس ذی الحجہ کو۔ رمضان المبارک دینی و روحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا، اسی پورے مہینہ کے روزے امت مسلمہ پر فرض کیے گئے، اس کی راتوں میں ایک مستقل باجماعت نماز کا اضافہ کیا گیا اور ہر طرح کی نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی۔ الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات و عبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ مستحق ہے کہ امت کے جشن و مسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے، چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا۔

اور دس ذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں امت مسلمہ کے مؤسس و مورثِ اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کا حکم و ارشاد پا کر اپنے لخت جگر سیدنا

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ان کی رضامندی سے قربانی کے لیے اللہ کے حضور میں پیش کر کے ان کے گلے پر چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم و رضا کا ثبوت دیا تھا۔

ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید الاضحیٰ کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اس کی گویا نقل اور دوسرے درجہ کی یادگار ہے۔ بہر حال ان دونوں دنوں (یکم شوال اور دس ذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور امتِ مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا۔

اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ ہر عمل سے پیغام دیتا ہے، عبرت و موعظت کے پہلوؤں کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے اور زندگی کے ہر واقعہ کو مشعل راہ بنا دیتا ہے، جس کی روشنی سے اندھے بھی دیکھنے لگیں اور لنگڑے بھی چلنے لگیں، عبادت و بندگی ہو یا لوگوں کے باہمی معاملات، اسلام کا ہر طریقہ ایک "بولتا ہوا" عمل ہے کہ بہرہ بھی اس کو سننے سے محروم نہ رہے۔

عید بھی سراپا "پیغام" ہے، دعوت ہے، عید سب سے پہلے ہمیں اس جانب متوجہ کرتی ہے کہ مسلمانوں کو خوشی اور مسرت کے لمحات کس طرح گذارنے چاہئیں۔ غور کیجئے کہ مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا کوئی دن نہیں، لیکن نہ رقص و سرور ہے، نہ نغمہ و رباب ہے اور نہ مستی و شراب، نہ پٹاخوں کی ادھم، نہ نعروں کا شور و غوغا، نہ آتش بازیوں کا سیلاب، بلکہ ہر مسلمان صبح دم اٹھتا ہے، نماز فجر ادا کرتا ہے، پھر نہاتا ہے، صاف ستھرے اور میسر ہوں تو نئے کپڑے بدلتا ہے اور شانہ بشانہ نماز عید کے لیے رواں ہوتا ہے، آنکھیں جھکی ہوئیں اور زبان پر اللہ کی کبریائی اور حمد و ثنا کے کلمات، عید گاہ پہنچ کر دوگانہ شکر ادا کرتا ہے، اور اپنی پیشانی خدا کے سامنے مٹی پر رکھ کر اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے، خوشی کے مواقع پر آدمی میں کسی قدر کبر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے بار بار اپنی بڑائی کی نفی اور خدا کی بڑائی کا اقرار و اعتراف کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اصل صاحب ایمان وہ ہے جو خوشی و مسرت کے وقت اترانے نہ لگے، اس کی گردن مارے کبر کے اونچی نہ ہو، اس کی زبان پر اپنی بڑائی کا کلمہ نہ ہو، بلکہ وہ خدا کے سامنے جھکتا ہوا ہو،، خوشی نے اس کے تواضع و انکسار کو بڑھایا اور اپنی بڑائی کے احساس کو گھٹایا ہو اور اس وقت بھی اس کا دل خدا کی طرف متوجہ ہو اور اس کی پیشانی خدا کی چوکھٹ پر خم، شادی بیاہ ہو، بچہ کی پیدائش ہو، نیا مکان خدا نے دیا ہو، دکان اور روزگار کا سامان میسر آیا ہو، کوئی بات خوشی کی پیش آئی ہو تو مسرت کے اظہار کا وہی طریقہ اللہ کو پسند ہے کہ مومن کا سر شکر کے جذبے سے سرشار ہو کر خدا کے سامنے جھک جائے اور اس کی زبان اللہ کے ذکر اور

حمد وثنا سے تر ہو۔ عید مسلمانوں کے لیے اجتماعیت اور وحدت کا بھی پیغام ہے، مالدار ہو یا غریب، آقا ہو یا غلام، فرمانروا ہو یا رعایا، سماج کا معزز اور مصروف شخص ہو یا کوئی معمولی اور غیر معروف آدمی، گورا ہو یا کالا اور عربی ہو یا عجمی، ایک ساتھ شانہ بہ شانہ خدا کے حضور کھڑے ہیں اور اس کے کرم کے سوالی ہیں، یہاں کوئی امتیاز نہیں، خدا کے دربار میں سب برابر ہیں، علامہ اقبال کے الفاظ میں: ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے لئے وحدت کا اور کیا پیغام ہو گا؟ یہ سب مسلمان ہیں، کلمہ توحید پڑھنے والے محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن نبوت سے وابستہ، آخرت پر سب کا یقین، قرآن مجید پر ایمان رکھنے والے جیتے اور مرتے ایک قبیلے کے حامل، فکر و نظر اور فروع کا کچھ اختلاف ضرور ہے، لیکن اس کے باوجود آج یہ شانہ بہ شانہ اور قدم بہ قدم کھڑے ہیں، کاش دوسرے دنوں میں بھی اس وحدت ملی کو محسوس کریں اور سوچیں کہ کس قدر دین کی بنیادی باتوں میں ان کے درمیان اشتراک واتفاق ہے اور اگر کچھ اختلاف ہے تو اس لائق ہے کہ ان کو نظر انداز کیا جائے اور ایک دوسرے کی رائے کے احترام کے ساتھ ان کو برداشت کیا جائے۔

عید ہمیں اس بات کی یاد دلاتی ہے کہ وہ خوشی، خوشی نہیں جس میں پورے معاشرہ کو شامل نہ کیا جائے، آپ کے گھر میں مسرت کا چراغ جلے بلکہ چراغاں ہو اور آپ کا پڑوسی غم کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہو، اس سے زیادہ نا مبارک کوئی مسرت نہیں ہو سکتی۔ اسی حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ نے نماز عید الفطر کیساتھ ساتھ صدقہ الفطر کا بھی حکم دیا ہے کہ ہر صاحب گنجائش مسلمان اپنی اور اپنے زیر پرورش لوگوں کی طرف سے گیہوں کی ایک خاص مقدار یا اس کی قیمت اپنے غریب بھائی کو پہنچائے اور عید سے پہلے پہلے پہنچا دینے کی کوشش کرے، تاکہ معاشرہ کے غریب اور پریشان حال لوگ بھی عید کی خوشی میں شامل ہو سکیں۔ صدقۃ الفطر ایک علامتی عمل ہے، یہ صرف عید ہی کے دن کے لئے مخصوص نہیں۔ یہ اس بات کی تسلیم ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ہر خوشی میں معاشرہ کے غریب بھائیوں کو بھی شامل کرنا چاہیے۔ وہ خوشی ادھوری اور ناکام ہے جو اپنے گھر تک محدود ہے اور جس میں اپنے ان پڑوسیوں کو شامل نہ کیا گیا ہو جن کو خدا نے آپ کی نگاہ لطف کا محتاج بنایا ہے۔

اصلاح عقائد و اعمال

بدعات کیوں حرام ہیں ؟

(گزشتہ سے پیوستہ)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

وہ تمام طریقے جو حضور اقدس ﷺ سے ثابت نہیں ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہیں، اور ان کو دین کا حصہ بنایا گیا ہے وہ سب "بدعات" کی فہرست میں شامل ہیں اور یہ آیت کریمہ (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ) ان تمام بدعات کی ممانعت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔

شب براءت میں حلوہ گناہ کیوں ؟

مثلاً شب براءت میں حلوہ پکنا چاہئے، اور یہ حلوہ شب براءت کا لازمی حصہ بن گیا ہے، اگر حلوہ نہیں پکا تو شب براءت ہی نہیں ہوئی، یا مثلاً رجب میں کونڈے ہوتے ہیں اگر کوئی شخص کونڈے نہ کردے تو وہ ملامتی ہے، وہ وہابی ہے، اس پر طرح طرح کی طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔ اب اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا کونڈے کا حکم قرآن کریم میں کہیں آیا ہے؟ یا حضور ﷺ نے حدیث میں ارشاد فرمایا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا تھا؟ کوئی ثبوت نہیں، بس اپنی طرف سے ایک طریقہ جاری کرکے اس کو اس طرح لازمی قرار دے دیا گیا کہ اگر کوئی نہ کرے تو وہ لعنت و ملامت کا مستحق ہے، اس کو "بدعت" کہتے ہیں، اب اگر ان سے یہ کہا جائے کہ یہ عمل تو "بدعت" ہے تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہم کوئی گناہ کا کام کر رہے ہیں؟ ہم کوئی چوری ڈاکہ ڈال رہے ہیں؟ بلکہ اپنے گھر کے ہی آٹے سے یہ پوریاں بنائیں گے اور یہ حلوہ بنایا، اور اس کو محلّہ میں تقسیم کردیا، اس میں گناہ کی بات نہیں ۔ لیکن اس کو دین کا لازمی حصہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ جو شخص یہ کام نہیں کر رہا، وہ ملامت کا مستحق ہے، تمہارا یہ طرز عمل اس کام کو ,,بدعت،، بنا دیتا ہے جس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

اور جو شخص اس عمل کو کسی اتھارٹی کے بغیر دین کا حصہ بناتا ہے، وہ شخص اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے، جس کی اس آیت مین ممانعت کی گئی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو،

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ

شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کے عزیز و اقارب اسکے لیے ایصال ثواب کریں،، کوئی بھی نیک عمل کرکے اس کا ثواب اس کو پہنچائیں، اتنی بات نبی کریم ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے مثلاً تلاوت قرآن کریم کے ذریعے کسی کو ثواب پہنچائیں، نفلیں پڑھ کر پہنچائیں، تسبیحات پڑھ کر پہنچائیں، یہ سب جائز ہیں اور نبی کریم ﷺ سے اس طرح ایصال ثواب کرنا ثابت ہے لیکن اس ایصال ثواب کے لئے شریعت نے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کیا کہ بس اس طریقے سے کرنا ہوگا، بلکہ سہولت کے ساتھ آدمی کو جس عبادت کا موقع ہو، اس عبادت کے ذریعہ ایصال ثواب کردے، مثلاً کسی کو تلاوت کے ذریعہ ایصال ثواب کرنے کا موقع ہے وہ تلاوت کے ذریعے ایصال کردے، اگر نفلیں پڑھ کر ایصال ثواب کرنے کا موقع ہو تو نفلیں پڑھ کر ایصال ثواب کردے، بس اخلاص کے ساتھ ایصال ثواب کردے شرعاً ایصال ثواب کے لیے نہ تو دن مقرر ہے نہ وقت مقرر ہے، نہ اس لیے کوئی طریقہ ہے، نہ تقریب مقرر ہے،

تیجہ کرنا گناہ کیوں؟

لیکن لوگوں نے یہ طریقہ اپنی طرف سے مقرر کرلیا کہ مرنے کے تیسرے دن سب کا جمع ہونا ضروری ہے، اس دن سب مل قرآن خوانی کریں گے، اور جس جگہ ,, تیجہ ،، ہوگا، وہاں کھانے کی دعوت بھی ہوگی، اگر ویسے ہی پہلے دن یا دوسرے دن یا تیسرے دن قرآن شریف اکیلے پڑھ لیتے، لوگوں کے آنے کی وجہ سے جمع ہو کر پڑھ لیتے تو یہ طریقہ اصلاً جائز تھا، لیکن یہ تخصیص کرنا کہ تیسرے دن ہی قرآن خوانی ہوگی اور سب مل کر ہی کریں گے اور اس میں دعوت ضرور ہوگی، اور جو ایسا نہ کرے وہ "وہابی" ہے جب اس مخصوص طریقہ کو دین کا لازمی حصہ قرار دیدیا کہ اس کے بغیر دین مکمل نہیں، اور اگر کوئی یہ عمل نہ کرے تو عمل نہ کرنے کے نتیجے میں اس کو مطعون کیا جائے اس کو گناہگار قرار دیا جائے تو یہی چیزیں اس

عمل کو بدعت بنادیتی ہیں یہاں تک کہ اگر کسی میت کا تیجہ نہ ہوا تو کہنے والے اس میت کو طعنہ دیتے ہیں کہ

مر گیا مردود، نہ فاتحہ نہ درود

اس طرح اس میت پر طعنہ ہو رہا ہے، جو بیچارہ دنیا سے چلا گیا بس لازمی سمجھنے اور طعنہ دینے نے اس عمل کو بدعت بنادیا، ورنہ ضروری سمجھے بغیر جس دن چاہو ایصال ثواب کرلو، پہلے دن کرلو، دوسرے دن کرلو، تیسرے دن کرلو، چوتھے دن کرلو، پانچویں دن کرلو، مگر یہ تیجہ، دسواں، چالیسواں یہ سب بدعات ہیں۔

عید کے دن گلے ملنا بدعت کیوں؟

اسی طرح ہمارے یہاں یہ عام دستور ہے کہ عید کے دن نماز کے بعد آپس میں گلے ملتے ہیں، اور معانقہ کرتے ہیں، اب معانقہ کرنا کوئی گناہ کا کام نہیں، جائز ہے، لیکن گلے ملنا اس وقت سنت ہے جب کوئی شخص سفر سے آیا ہے، اور اس سے پہلی ملاقات ہو رہی ہے تو اس وقت حضور ﷺ کی سنت یہ ہے کہ اس سے گلے ملا جائے، اور معانقہ کیا جائے، عام حالات میں معانقہ کرنا سنت بھی نہیں، اور گناہ بھی نہیں، مثلاً ایک مسلمان بھائی آپ سے ملنے کے لئے آیا، آپ کا دل چاہا کہ اس سے گلے ملوں، آپ نے اسے گلے سے لگایا تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس میں تو کوئی گناہ ہے اور نہ یہ عمل سنت ہے، اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ عید کے روز عید کی نماز کے بعد گلے ملنا حضور ﷺ کی سنت ہے، یا یہ عمل دین کا حصہ ہے، یا اگر گلے نہ ملے تو گویا عید ہی نہ ہوئی، گناہ کا ارتکاب ہوگیا، یا دین میں خلل واقع ہوگیا، اگر اس عقیدے کی وجہ سے کوئی شخص عید کے دن گلے مل رہا ہے تو گلے ملنا بھی بدعت اور ناجائز ہے، اگر سادہ طریقے سے صرف اپنی خوشی کے اظہار کے لیے گلے مل رہا ہے تو ٹھیک ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس کو سنت سمجھنا اور اس کو عید کا لازمی حصہ قرار دینا اس عمل کو بدعت بنادیتا ہے۔

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:

اسی طرح فرض نماز کے بعد دعا کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے بعد دعا فرمایا کرتے تھے، لیکن حضور اقدس ﷺ اپنے طور پر دعا فرمارہے ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے طور پر دعا فرمارہے ہیں۔

آج کل دعا کا جو طریقہ رائج ہو گیا ہے کہ امام دعا کے الفاظ کہتا ہے اور باقی لوگ اس پر آمین کہتے ہیں۔ یہ طریقہ روایات میں کہیں حضور اقدس ﷺ سے ثابت نہیں۔ لیکن یہ طریقہ ناجائز بھی نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اسکو ناجائز بھی نہیں کیا, لہٰذا اگر کوئی شخص یہ طریقہ اختیار کرے تو کوئی گناہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص دعا کے اس طریقے کو لازمی قرار دیدے اور اس کو نماز کا ضروری حصہ بنادے ،اور اس طریقے پر دعا نہ کرنے والے پر طعن تشنیع کرے تو اس صورت میں یہ عمل "بدعت" ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حضرات نے یہاں دیکھا ہوگا کہ میں جمعہ کی نماز کے بعد کبھی اجتماعی دعا کراتا ہوں اور کبھی چھوڑ دیتا ہوں۔ جب پہلی مرتبہ میں نے دعا نہیں کرائی تو بہت سے لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت !آپ نے دعا چھوڑ دی کہ لوگوں کے دلوں میں اس دعا کے بارے میں یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ یہ دعا نماز کا لازمی حصہ ہے، اور جب دعا چھوڑ دی تو لوگوں کو اشکال ہو گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اجتماعی دعا کے بغیر نماز نامکمل ہے۔ بس یہ خیال اس کو بدعت بنادیتا ہے، اس لئے کبھی دعا کر لینی چاہئے اور کبھی چھوڑ دینی چاہئے۔

جب لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ "تیجہ "کرنا بدعت ہے، "چالیسواں "کرنا بدعت ہے، تو جواب میں عام طور لوگ یہی کہتے ہیں کہ ہم تو کوئی گناہ کا کام نہیں کر رہے ،بلکہ ہم تو قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور لوگوں کی دعوت کر رہے ہیں اور نہ قرآن شریف پڑھنا گناہ ہے ،اور نہ لوگوں کی دعوت کرنا گناہ ہے بیشک یہ دونوں گناہ نہیں، بشرطیکہ ان کو لازم مت سمجھو، تو پھر یہ عمل بیشک جائز ہے۔ جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی، اس کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو" اس مفہوم میں یہ سب بدعات بھی داخل ہیں کہ اپنی طرف سے کوئی طریقہ گھڑ کر اس کو لازمی قرار دے دیا جائے، اور جو شخص وہ طریقہ اختیار نہ کرے، اس کو مطعون کیا جائے۔

قبروں پر پھول کی چادر چڑھانا

اسی طرح قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا ,, بدعت ،، میں داخل ہے، دیکھئے! ایسے ہی آپ کا دل چاہا کہ میں اپنے باپ کی قبر پر چادر چڑھاؤں ،چنانچہ اس کو دین کا حصہ اور ثواب سمجھنے بغیر آپ نے

قبر پر چادر چڑھادی تو یہ جائز ہے لیکن اس کو دین کا حصہ قرار دینا، اور باعث اجر وثواب قرار دینا، اور اگر کوئی شخص نہ چڑھائے تو اس پر طعنہ دینا، اور یہ کہنا کہ اس نے میت کی تعظیم میں کوتاہی کا ارتکاب کیا ہے، یہ چیزیں اس عمل کو بدعت بنادیتی ہیں، جو چیز جس حد میں نبی کریم ﷺ نے مقرر فرمائی ہے، اسکو اس کی حد سے آگے بڑھانا، مثلاً جو عمل مستحب ہے، اس کو سنت کا درجہ دینا، اور جو عمل سنت ہے، اس کو واجب کا درجہ دینا، یہ سب بدعت میں داخل ہے، اور اس آیت "لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" کی ممانعت کے تحت داخل ہے۔

خلاصہ:

یہ "بدعت" کا مختصر مفہوم ہے، جس کا حکم اس آیت کریمہ سے نکل رہا ہے، اللہ تعالی اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں صحیح بات اتار دے، اور دین کا صحیح مطلب ہماری سمجھ میں آجائے، دین کی صحیح تشریح اور تعبیر ہماری سمجھ میں آجائے، اور ہماری زندگی اپنی رضا کے مطابق قبول فرمائے، آمین

خوب سمجھ لیں کہ اس بیان کے ذریعہ کسی پر اعتراض کرنا مقصود نہیں، کسی پر ملامت کرنا مقصود نہیں ہم سب کو اللہ تعالی کے پاس جانا ہے، ہم سب کو اپنی اپنی قبروں میں سونا ہے، اور اللہ تعالی کے پاس اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے، لہٰذا کسی بات پر ڈٹنے اور اڑنے کی بات نہیں کہ یہ طریقہ تو ہمارے باپ دادا سے چلا آرہا ہے، لہٰذا اس کو کیسے چھوڑ دیں اللہ تعالی ہمارے دل میں یہ بات ڈال دے کہ دین جو کچھ ہے، وہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیم ہے، اس سے آگے بڑھ کر جو کام کیا جارہا ہے وہ دین نہیں ہوسکتا، چاہے اس کا رواج صدیوں سے چلا آرہا ہو، اور وہ کام قابل ترک ہے، اور چھوڑنے کے قابل ہے، اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

معاشرے میں 80 فیصد بے دینی کی وجہ لقمہ حرام ہے۔ (مولانا احمد علی لاہوریؒ)

تزکیہ وتربیت

دنیا یا سرائے

خالد رحمٰن
ڈائریکٹر IPS اسلام آباد

حاکم وقت کا دربار لگا ہوا تھا!

ایک شخص بڑے رعب کے ساتھ اندر داخل ہوا اور تخت شاہی تک آ پہنچا۔

آنے والے شخص کو پر اعتماد دیکھ کر دربار میں موجود امراء اور وزراء میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اسے روکے یا اس سے کچھ دریافت کرے۔

تو کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟ حاکم وقت نے خود ہی کسی قدر تعجب سے سوال کیا۔

میں اس سرائے میں ذرا دیر ٹھہرنا چاہتا ہوں! محل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اجنبی نے جواب دیا۔

یہ سرائے نہیں۔ شاہی محل اور دربار ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا۔

بادشاہ کا جواب سن کر اجنبی نے خاموش ہونے کے بجائے سوال کیا:

آپ سے پہلے اس محل میں کون رہتا تھا؟

میرا باپ! بادشاہ کا مختصر جواب تھا۔

تمہارے باپ سے پہلے کون تھا؟ اس شخص نے ایک اور سوال کیا۔

میرا دادا! بادشاہ نے جواب میں بتایا۔

دربار میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ تمام لوگ بادشاہ اور اجنبی مہمان کا مکالمہ سن رہے تھے۔ آپ کے بعد یہاں کون رہے گا؟ آنے والے شخص کا اگلا سوال تھا۔

میری اولاد!

بادشاہ کے اس جواب کو سن کر وہ شخص بولا:

ذرا خیال کرو! جس مقام پر اتنے آدمیوں کا آنا جانا ہو اور کوئی بھی مستقل قیام نہ کرتا ہو وہ مقام سرائے نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ واقعہ تیسری صدی ہجری کے بزرگ صوفی حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے منسوب ہے جو بلخ کے شہزادے تھے۔ روایت کے مطابق اس واقعے کے بعد آپ نے امارت و تخت کو ٹھکرا کر درویشی اور تصوف کو اپنالیا اور اس میں وہ بلند مقام حاصل کیا جسے اکثر صوفیا رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

تو کیا، وسائل زندگی کو ٹھکرا دینا ہی درست رویہ ہے؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ چنانچہ اس کائنات میں جتنی بھی نعمتیں تخلیق کی گئی ہیں انسان کو ان سے استفادہ کرنے کی صلاحیت اور مواقع بھی عطا کیے گئے ہیں۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کیے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے (البقرہ: ۲:۲۹)

یوں جائز طریقے اور ذرائع اختیار کرتے ہوئے حاصل شدہ نعمتوں کو استعمال کرنا اور ان سے آرام وسکون حاصل کرنا انسان کا فطری اور جائز حق ہے۔ دین اسلام انسان کی فطری ضروریات کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے اور حدود و شرائط کے ساتھ ان ضروریات کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ تاہم یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ دنیا میں آنے والے ہر انسان کو ایک معینہ وقت پر دنیا سے رخصت ہو جانا ہے جس کے بعد کبھی ختم نہ ہونے والی آخرت کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ دنیا کی نعمتیں یہیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں جو بعد میں آنے والے لوگوں کے کام تو آسکتی ہیں، خود انسان کے کسی کام نہیں آتیں۔ یہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو انسان دنیا کی آسائشوں اور سہولتوں ہی میں اس طرح کھو جاتا ہے کہ یہی اس کی زندگی کا مقصد و محور بن جاتی ہیں اور یہ سلسلہ اس طرح دراز ہوتا جاتا ہے کہ پھر آسائشوں اور نعمتوں کے حصول اور استعمال میں جائز و ناجائز کی تفریق بھی ختم ہو جاتی ہے۔

صحیح ایمانی رویہ یہ ہے کہ انسان دنیا کو عارضی قیام کی جگہ اور اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو امانت سمجھتے ہوئے اسی قدر اور ان ہی حدود میں استعمال کرے جو خود عطا کرنے والے نے مقرر کر دی ہیں۔

بڑا ہی نازک اور افسوس ناک مقام ہے کہ جب ایک کلمہ گو جانتے بوجھتے دنیا کی خاطر اپنے دین کا سودا گوارا کر لیتا ہے۔

تعمیر فکر و کردار

رویے کی تبدیلی

یاسر محمد خان

ہم میں سے اکثر لوگ محض شک کی بنیاد پر رائے بنا لیتے ہیں بعد ازاں اس رائے پر ڈٹ جاتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی شخص پہاڑ کی دوسری طرف دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ ہمارے ملک میں 19 کروڑ لوگ ہیں۔

ان تمام لوگوں نے اپنا اپنا اسلام گھڑ رکھا ہے اور یہ نہ صرف اس اسلام کو درست سمجھتے ہیں بلکہ یہ اسے دوسروں پر نافذ کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ میں بھی اگر اس بھیڑ چال میں شامل ہو جاؤں تو معاشرے کی "ہیٹ" میں اضافہ ہو جائے گا۔ ہمیں کم از کم معاشرے میں برداشت کی روایات قائم کرنی چاہیے۔

ہمیں دوسروں کے نکتہ نظر کا احترام کرنا چاہیے۔ اگر انہیں میرے خیالات سے تکلیف ہو رہی ہے تو معافی مانگنے میں یا حرج ہے۔ "چوہدری صاحب نے ایک نوجوان سے اپنے مکالمے کا احوال لکھا۔ کہتے ہیں: ایک دن میں نے اپنی فطرت اور بزدلی کے برعکس نوجوان سے بحث کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے اس سے پوچھا: "تم مجھے کافر کیسے سمجھ رہے ہو؟"

نوجوان نے ایک فرقے کا نام لیا اور کہا: "تم اس فرقے سے تعلق نہیں رکھتے؟" میں نے جواب دیا: "میں آج تک اس فرقے کی کسی محفل میں بیٹھا ہوں، نہ آج تک ان کا کوئی لٹریچر پڑھا ہے اور نہ ہی میں نے ان کے کسی خیال کا پرچار کیا ہے۔" اس کی آنکھوں کی لو اونچی ہو گئی۔ وہ چلا کر بولا: "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہارے والد اس فرقے کے عالم تھے۔ انہوں نے ان کا کورس بنایا تھا۔ یہ ان کے مدرسے کے استاذ بھی رہے اور تم ان کے انتقال کے بعد وہاں سے پنشن لے رہے ہو۔"

میں نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی اور نوجوان سے عرض کیا: "بیٹا! پہلی بات یہ ہے کہ میرے والد ماشاء اللہ حیات ہیں۔ دوسری بات، میرے والد صاحب اَن پڑھ ہیں۔ یہ اَن پڑھ ہو کر کسی مکتبہ فکر کے لئے کورس کیسے بنا سکتے ہیں؟ یہ کتابیں کیسے تحریر کر سکتے ہیں؟" وہ ایک لمحے کے لئے سکتے میں آ گیا۔

اس نے دائیں بائیں دیکھا اور اونچی آواز میں ایک شخص کا نام لے کر بولا: "کیا یہ تمہارے والد نہیں ہیں؟" میں نے قہقہہ لگا کر جواب دیا: "ہرگز ہرگز نہیں۔ میرے والد کا نام تو یہ ہے۔" اس نے چلا کر ایک

نام لیا اور پوچھا: ”کیا یہ تمہارا بھائی نہیں؟“ میں نے عرض کیا: ”بالکل نہیں۔“ اس نے ایک لمبی سانس لی اور بولا: ”اس کا مطلب ہے مجھے غلط بتایا گیا تھا۔“

میں نے ہاں میں سر ہلایا اور اس سے پوچھا: ”تمہیں یہ کس نے بتایا تھا؟“ وہ نارمل ہو رہا تھا۔ اس نے لمبے لمبے سانس لیے اور بولا: ”میرے ایک دوست نے یہی بتایا تھا۔ اس کا کہنا تھا تم اس فرقے سے تعلق رکھتے ہو۔“ میں نے اس سے کہا: ”میرے بھائی تم مجھ سے تصدیق کر لیتے۔“ اس نے اس کا بڑا دلچسپ جواب دیا۔ اس نے کہا: ”میں ان سے بات کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔“ میں نے اس سے پوچھا: ”بیٹا! آپ کرتے کیا ہو؟“ اس نے جواب دیا: ”میں ایم اے کر رہا ہوں۔“ میں نے قہقہہ لگایا۔ اس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور آگے چل پڑا۔

یہ صرف ایک نوجوان کا المیہ نہیں، ملک میں ہر دوسرا بلکہ ہر پہلا شخص اسی قسم کی ذہنی صورتِ حال کا شکار ہے۔ ہمارے ملک میں پچھلے بیس برسوں میں تین بڑی نفسیاتی تبدیلیاں آئیں۔ پہلی تبدیلی، ترقی کے بارے میں لوگوں کا رویہ بدل چکا ہے۔ آج سے بیس پچیس سال پہلے لوگ ترقی کرنے والوں کو ہیرو سمجھتے تھے۔ کوئی شخص بزنس میں کامیاب ہو جاتا تھا تو لوگ اسے سراہتے تھے۔

کوئی بورڈ میں ٹاپ کر لیتا تھا تو والدین اپنے بچوں کو اس کی مثال دیتے تھے اور کوئی کونسلر لیول سے ہوتا ہوا ضلع کونسل کا چیئرمین بن جاتا تھا تو لوگ اس کو بھی آئیڈیل سمجھتے تھے، لیکن پچھلے بیس پچیس برسوں میں اس ملک میں کامیابی گالی بن گئی ہے۔ ملک کے زیادہ تر لوگ اب کامیاب لوگوں کو بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ ملک میں خوشحال لوگوں سے نفرت کی جاتی ہے۔ کوئی نئی گاڑی لے لے۔ کوئی فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھا رہا ہو۔ کوئی اچھے کپڑے پہن رہا ہو۔ کوئی نیا گھر بنا لے یا کوئی ملک سے باہر چلا جائے، لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔

یہ رجحان غلط ہے، لیکن میں اس میں عام لوگوں کو برا نہیں سمجھتا۔ یہ پاکستان کی مجموعی سیاسی صورتِ حال کا نتیجہ ہے۔ ہمارے ملک میں پچھلے بیس پچیس برسوں میں ہر فیلڈ میں دو نمبر لوگ اوپر آئے۔ چنانچہ ان کو دیکھ کر لوگوں نے کامیابی سے نفرت کرنا شروع کر دی، مگر اس حقیقت کے باوجود یہ رویہ غلط ہے، کیونکہ جب کسی معاشرے میں کامیابی یا ترقی گالی بن جاتی ہے تو اس معاشرے کی ”گروتھ“ رُک جاتی ہے۔

اس معاشرے کو نئے لیڈر نہیں ملتے۔ دوسری تبدیلی شک ہے۔ ہمارا پورا ملک شک کے نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہو چکا ہے۔ ہم سب لوگ دوسروں کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں۔ شک کی اس بیماری نے ہمارے یقین، ہمارے اعتماد کے ستونوں کو کھوکھلا کر دیا ہے اور ہم اب کسی شخص اور کسی ادارے پر یقین نہیں کرتے۔

تیسری تبدیلی شدت ہے۔ ہمارے معاشرے میں شدت آچکی ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ دوسروں کی بات سننے کے روادار نہیں ہیں۔ ہم دوسروں کے ایمان اور عقیدت تک کا فیصلہ خود کر رہے ہیں۔ آپ کے ملک میں کسی کو کچھ بھی مشہور کیا جا سکتا ہے۔ کسی کو امریکی، یہودی یا بھارتی ایجنٹ قرار دے دیں۔ کسی کو راشی، بدکردار یا منافق کہہ دیں، کسی کو کسی کے پے رول پر ڈکلیئر کر دیں۔ لوگ نہ صرف اس پر یقین کر لیں گے بلکہ اس "اطلاع" کو آگے پھیلانا اپنا فرض سمجھ لیں گے اور یوں وہ شخص رات تک پورے ملک میں "مشہور" ہو چکا ہو گا۔

یہ اطلاع جس جس شخص تک پہنچے گی، وہ اسے اپنے یقین کا حصہ بنا لے گا۔ آپ اگر اس کی تصحیح کی غلطی کر بیٹھیں گے تو وہ آپ پر حملہ کر دے گا۔ یہ رجحان کسی بھی طرح صحت مندانہ نہیں۔ انسانی تاریخ بتاتی ہے کسی قوم میں جب اس نوعیت کی شدت پیدا ہوئی تو وہاں مکالمہ رُک گیا اور جہاں مکالمہ رُکا، وہاں تخلیق کا عمل جام ہو گیا اور جہاں تخلیقی عمل جام ہوا وہاں ترقی رُک گئی۔ آخر میں وہ پورا معاشرہ انارکی یا فسادات کی نذر ہو گیا۔

آپ یقین کیجئے ہم بھی اسی عمل سے گزرے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں "ہیٹ" اس قدر بڑھ چکی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص معمولی اختلاف پر دوسرے کو قتل کرنے پر تیار بیٹھا ہے۔ آپ گلی، سڑک، بازار یا کسی شاپنگ سینٹر میں کسی سے بات کر کے دیکھ لیجئے وہ شخص آپ کے گلے پڑ جائے گا۔ آپ سڑک پر کسی کی غلطی کی نشاندہی کر دیجئے گا وہ آپ کا سر پھاڑنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ یہ شدت، یہ ہیٹ اس معاشرے کا اصل المیہ ہے۔ یہ وہ چنگاری ہے جو کبھی اختلاف کی شکل میں بھڑک رہی ہے۔ کبھی بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ کے ردِ عمل میں سڑکوں اور گلیوں میں دکھائی دیتی ہے۔ کبھی سیاسی محاذوں کو گرما دیتی ہے۔"

ایک ایسے معاشرے میں اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ اپنے بچوں کی تربیت ی طرف توجہ دی جائے انہیں اس معاشرے کا حصہ بننے سے روکا جائے اور ایک اچھے معاشرے کا شہری بنایا جائے۔ اپنے بچوں کو ان بُری عادات سے بچانے کی بھرپور کوشش کریں۔ ممکنہ حد تک نگرانی کریں۔ آداب و تہذیب، اسلامی اخلاق و عادات کا خوگر بنانے کی جدوجہد کریں۔۔۔ ورنہ یہی اولاد دنیا میں وبالِ جان اور آخرت میں شرمندگی کا باعث ہو گی۔

مغرب اور اسلام

انسانی حقوق، اسلامی تعلیمات، سیرت طیبہ اور مغربی تصور

علامہ زاہد الراشدی
شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

جناب رسالت مآب ﷺ کی سنت ہے کہ اسلام کی دعوت اور پیغام کو مخاطب کی زبان میں اس کی ذہنی سطح اور نفسیات کے مطابق پیش کیا جائے۔ مکہ مکرمہ کے قریشی سردار جب رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کے اثرات سے پریشان ہو کر جرگے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا کہ آخر آپ کی دعوت کا مقصد کیا ہے اور آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے مزاج و نفسیات اور ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے یہ جواب دیا کہ:

"میں ایک ایسا کلمہ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ اگر تم اسے قبول کر لو تو عرب و عجم تمہارے تابع ہوں گے"۔

آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ غلبہ، قوت اور اقتدار کے سوا کسی اور زبان کو نہیں سمجھتے، اس لیے آپ ﷺ نے ان ہی کی زبان میں دعوت اسلام کے نتائج و فوائد سے انہیں آگاہ کیا اور یہ بات خلاف واقعہ بھی نہ تھی، اس لیے کہ اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کے بے شمار نتائج و منافع میں سے ایک منفعت یہ بھی تھی اور چونکہ سوال کرنے والوں کے ہاں اس منفعت کی اہمیت زیادہ تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسی منفعت کا حوالہ دے کر ان کے سوال کا جواب مرحمت فرمایا۔

اس پس منظر میں آج کے دور میں دعوت اسلام کی ضروریات اور تقاضوں کا جائزہ لیا جائے اور جناب رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ کو نسل انسانی کے سامنے پیش کرنے کے لیے ترجیحات پر غور کیا جائے تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کے بارے میں قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و احکام کو زیادہ اہمیت کے ساتھ منظر عام پر لایا جائے، انسانی معاشرہ کو بتایا جائے کہ انسانی حقوق کے تعین اور تحفظ کا جو معیار اور دائرہ کار اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ﷺ نے کم و بیش ڈیڑھ ہزار سال قبل دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، انسانی عقل، تدریج و ترقی کے تمام مراحل طے کرنے اور مختلف نظام ہائے زندگی

کا تجربہ کرنے کے باوجود اس کا کوئی متبادل سامنے نہیں لا سکی، اور انسانی معاشرہ ایک بار پھر پریشانی اور اضطراب کے عالم میں اپنے مسائل و مشکلات کے حل کے لیے کسی مسیحا کے انتظار میں ہے۔

آج دنیا میں انسانی حقوق کی زبان سب سے زیادہ توجہ کے ساتھ سنی جانے والی زبان ہے جبکہ ورلڈ میڈیا نے اسے صرف زبان کی حد تک نہیں رہنے دیا بلکہ وقت کا موثر ترین ہتھیار بنا دیا ہے جو عالم اسلام اور تیسری دنیا کی اقوام کے خلاف مغرب کے ہاتھوں میں کامیابی کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے اور مغرب جسے چاہتا ہے، اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور جنیوا کنونشن کی قراردادوں کے شکنجے میں جکڑ کر انسانی حقوق کی چھری کے ساتھ ذبح کر دیتا ہے۔

انسانی حقوق آج کی دنیا کا ایک اہم موضوع ہے جس پر غالباً سب سے زیادہ گفتگو ہوتی ہے اور اسلامی تعلیمات کے حوالے سے انسانی حقوق پر گفتگو ضروری ہے، مگر آج کی مجلس میں صرف ایک پہلو پر کچھ گزارشات پیش کرنا چاہوں گا۔ وہ یہ کہ انسانی حقوق کے آج کے فلسفے اور حقوق انسانی کے اسلامی فلسفے میں کیا فرق ہے۔ جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق ہے، قرآن کریم نے بھی اس کے متعدد پہلوؤں پر گفتگو کی ہے اور جناب نبی اکرم ﷺ نے اس کے بیسیوں پہلوؤں کی وضاحت فرمائی ہے، لیکن آج کے دور کے انسانی حقوق کے فلسفہ اور اس سلسلے میں قرآن و سنت کی تعلیمات میں چند بنیادی اور اصولی فرق ہیں، جن کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس ضمن میں پہلا فرق تو اصطلاح کا ہے کہ انسانوں کے باہمی حقوق جن کو آج کے جدید فلسفے میں "انسانی حقوق" اور "ہیومن رائٹس" سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام نے ان کا ذکر "حقوق العباد" کے عنوان سے کیا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حوالے سے قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ میں ہدایات و احکام کا ایک وسیع سلسلہ موجود ہے اور وہ ایسا منظم اور مربوط ہے کہ شاید ہی کوئی اور سسٹم حقوق انسانی کی وہ تفصیلات اور ترجیحات بیان کرتا ہو، جن کی نشاندہی قرآن و سنت نے کی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ آج کا فلسفہ حقوق کی فہرست کو صرف انسانی سوسائٹی تک محدود رکھتا ہے اور انسان کو پیدا کرنے والے رزق دینے والے اور بے شمار نعمتوں سے نوازنے والے خالق و مالک کے حقوق سے کوئی بحث نہیں کرتا، اسے اس بات سے سرے سے کوئی غرض ہی نہیں ہے کہ خدا کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں، اس پر ایمان لانا ضروری ہے یا نہیں اور خالق و مالک کی حیثیت سے اس کا اپنے بندوں پر کوئی حق ہے یا نہیں؟ جبکہ اسلام اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے نہ صرف وجود پر ایمان کو ضروری قرار دیتا ہے، بلکہ اس کی

توحید اور پھر اس کے حقوق کے اقرار کو بھی ناگزیر سمجھتا ہے۔ اس لیے اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی بات کرتا ہے اور ان دونوں کے درمیان توازن کو دین کی بنیاد قرار دیتا ہے۔

اسلام نے اس سلسلے میں دونوں انتہاؤں کی نفی کی ہے۔ ایک طرف یہ انتہا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندی میں ہی مصروف رہا جائے اور انسانوں کے حقوق کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے۔ اسے اسلام نے "رہبانیت" سے تعبیر کیا ہے اور قرآن کریم نے اس کی صاف طور پر نفی کر دی ہے، جبکہ دوسری طرف یہ انتہا ہے کہ صرف بندوں کے حقوق اور انسانوں کے ساتھ معاملات پر ہی ساری توجہ صرف کر دی جائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کو غیر ضروری تصور کر لیا جائے۔ اسلام نے اسے دنیا پرستی قرار دیا ہے اور اس کی نفی بھی کی ہے۔

اسلام کی تعلیم اس سلسلے میں واضح ہے کہ خالق و مالک کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کے رسولوں کی تعلیمات کی پیروی، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور اس کی بندگی اور اطاعت بھی ضروری ہے اور انسانی سوسائٹی میں اپنے ساتھ رہنے والے انسانوں کے حقوق کی پاسداری بھی ضروری ہے۔ قرآن و سنت نے ان کے درمیان توازن اور ترجیحات کا ایک مربوط نظام پیش کیا ہے اور اس سلسلے میں حضرت سلمان فارسیؓ کا وہ ارشاد اصولی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے جو انہوں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا اور بخاری شریف کی روایت کے مطابق جناب نبی اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق و توثیق فرمادی تھی کہ "تیرے رب کا تجھ پر حق ہے، تیری جان کا تجھ پر حق ہے، تیری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے اور تیرے مسلمان بھائی کا تجھ پر حق ہے اس لیے (دین اس کا نام ہے کہ) ہر حق والے کو اس کا حق ادا کرو"۔

انسانی حقوق کے حوالے سے اسلامی تعلیمات اور آج کے جدید فلسفے میں تیسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام میں حقوق کا تعین آسمانی تعلیمات اور وحی الٰہی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جبکہ جدید فلسفے کے پاس اس کے تعین کی بنیاد صرف انسانی سوسائٹی کی خواہشات ہیں۔ انسانی سوسائٹی کی اکثریت جس بات کو حق قرار دے، وہ حقوق کی فہرست میں شامل ہو جائے گی اور جسے وہ حقوق کی فہرست سے نکال دے، وہ خارج ہو جائے گی۔

جمہوریت اور ووٹنگ انسانی سوسائٹی کی خواہش معلوم کرنے کا طریقہ ہے۔ اصل بنیاد انسانی سوسائٹی کی خواہشات پر ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ چونکہ انسانی سوسائٹی کی خواہشات کو کہیں قرار نہیں ہے اور انہیں کسی

جگہ بریک نہیں لگتی، اس لیے حقوق کی یہ فہرست ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کام جو ایک زمانے میں جرائم کی فہرست میں شمار ہوا کرتا تھا دوسرے دور میں وہ جرائم کی فہرست سے نکل کر حقوق کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔ میں دو مثالوں سے یہ بات واضح کرنا چاہوں گا۔ ایک یہ کہ مرد اور عورت کا بغیر شادی کے اکٹھے رہنا جنسی تعلق قائم کرنا اور بچے پیدا کرنا ایک دور میں جرم سمجھا جاتا تھا، بائبل کے نزدیک آج بھی وہ جرم ہے، لیکن آج کے دور میں اس عمل کو نہ صرف یہ کہ جرائم کی فہرست سے نکال دیا گیا ہے، بلکہ متعدد قوانین کے ذریعے مغربی ممالک نے اس کے جواز کو تسلیم کرتے ہوئے اسے حقوق کی فہرست میں شامل کر لیا ہے۔

اسی طرح ہم جنس پرستی کچھ عرصہ پہلے تک جرم تصور ہوتی تھی اور اس کی مذمت کے ساتھ ساتھ اس پر سنگین سزا کی آیات آج بھی بائبل میں موجود ہیں، لیکن سوسائٹی کی اجتماعی سوچ بدلنے کے ساتھ ہی اسے جرائم کی فہرست سے نکال کر حقوق کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے اور مغربی ممالک کی اسمبلیاں اس حوالے سے مسلسل قانون سازی کر رہی ہیں جبکہ اسلام اس کو تسلیم نہیں کرتا اور اس کا موقف ہی ہے کہ اس سلسلے میں وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات میں جو اصول طے کر دیے گئے ہیں اور جو دائرے حقوق و معاملات اور حرام و حلال کے حوالے سے قطعی طور پر متعین کر دیے ہیں، انسانی سوسائٹی کو انہیں کراس کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اسے ان حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی اپنے معاملات طے کرنے کا اختیار ہے۔ اسی طرح اسلام ان امور کو انسانی حقوق کی فہرست میں شامل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے جنہیں انسانی سوسائٹی نے وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات کو کراس کرتے ہوئے حقوق تصور کر لیا ہے۔

انسانی حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور آج کے جدید فلسفے میں چوتھا اہم فرق یہ ہے کہ اسلام دوسروں کے حقوق ادا کرنے پر زیادہ زور دیتا ہے اور ایک لمبی فہرست بیان کرتا ہے کہ تم پر خدا کا یہ حق ہے، رسول کا یہ حق ہے، ماں باپ کا یہ حق ہے، بیوی اور بچوں کا یہ حق ہے، رشتہ داروں کا یہ حق ہے، پڑوسیوں کا یہ حق ہے وغیرہ ذلک۔۔۔ اور اسلامی تعلیمات کا زیادہ تر رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ تم دوسروں کے حق ادا کرو گے تو تمہارے حقوق خود بخود ادا ہو جائیں گے، جبکہ جدید فلسفہ و نظام کا رجحان اور اسلوب یہ نظر آتا ہے کہ دوسروں کے ذمہ تمہارے حقوق یہ ہیں۔ وہ ایک انسان کے سامنے اس کے حقوق کی ایک فہرست پیش کرتا ہے اور اسے تلقین کرتا ہے کہ وہ اپنے یہ حقوق حاصل کرے۔ ان دونوں میں نتیجے

کے اعتبار سے جو فرق ہے، وہ اہل دانش پر مخفی نہیں۔ جب یہ انسان دوسروں کے حقوق ادا کرنے پر آجائے گا تو اس کے حقوق بھی اسے ملیں گے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ سوسائٹی میں باہمی محبت، اعتماد اور بھائی چارے کی فضا پیدا ہو گی، لیکن جب ہر شخص دوسروں سے اپنے حقوق حاصل کرنے کی فکر میں ہو گا تو باہمی کشمکش کی ایسی فضا قائم ہو گی کہ نفسا نفسی کا ماحول پیدا ہو جائے اور باہمی ربط و محبت کی وہ فضا قائم نہیں ہو سکے گی جو ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کے لیے ضروری ہے۔

حضرات محترم!

مغرب انسانی حقوق کے حوالہ سے جتنے بلند و بانگ دعوے کر لے، مگر انسانی حقوق اور فری سوسائٹی کے مغربی تصور پر مبنی سولائزیشن نے نتائج و ثمرات کے لحاظ سے آج جو روپ دھار لیا ہے، اس نے خود مغربی دانشوروں کو حیران و ششدر کر دیا ہے اور مغربی معاشرہ میں جنسی انارکی اور فیملی سسٹم کی تباہی نے گوربا چوف جیسے مدبر کو یہ لکھنے پر مجبور کر دیا ہے کہ:

"ہم نے عورت کو گھر سے نکال کر غلطی کی ہے اور اب اسے گھر واپس لے جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا۔"

در اصل مغرب حقوق و فرائض میں توازن قائم رکھنے اور ان کے درمیان حد فاصل قائم کرنے میں ناکام رہا ہے جبکہ جناب نبی اکرم ﷺ نے حقوق اور فرائض کو نہ صرف یکجا ذکر کیا بلکہ ان کے درمیان ایک ایسا حسین توازن قائم کر دیا جو گاڑی کے دو پہیوں کی طرح انسانی زندگی کا یکساں بوجھ اٹھا سکتا اور اسے لے کر کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ سکتا ہے مگر مغرب نے حقوق و فرائض کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا اور ان کے درمیان کوئی خط امتیاز قائم نہ رہنے دیا، جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ ذہنی انتشار اور فکری انارکی کا آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔

مثلاً اقتدار اور حکومت کو نبی اکرم ﷺ نے فرائض اور ذمہ داریوں میں شمار کیا ہے اور قدم قدم پر اس ذمہ داری کی نزاکت اور سنگینی سے خبر دار کیا ہے، جس کا منطقی نتیجہ حکمرانوں میں احساس ذمہ داری اور خدا خوفی کی صورت میں ظاہر ہوا اور لوگ اقتدار کی دوڑ میں شریک ہونے کے بجائے اس سے بچنے میں عافیت محسوس کرنے لگے۔ مگر مغرب نے اسے حقوق کی فہرست میں رکھ دیا اور اس حق کو حاصل کرنے کے لئے جو دوڑ لگتی ہے، اس کے فوائد و نقصانات کا تناسب ہر ذی شعور پر واضح ہے۔

اسی طرح محنت، مزدوری اور ملازمت کے ذریعے روزی کمانا اور اہل خانہ کی کفالت کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی رو سے فرائض کا حصہ ہے اور ڈیوٹی ہے جو گھر کے سربراہ پر عائد ہوتی ہے، مگر مغرب نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں بے شمار افراد کے قتل ہو جانے کی ضرورت محسوس کی تو ملازمت اور محنت و مزدوری کی ڈیوٹی پر "حقوق" کا خوشنما لیبل چسپاں کر کے اس غریب کو ورغلا لیا اور وہ "عقل کی پوری" بچہ جننے اور اس کی پرورش کرنے کی ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ اسے کما کر کھلانے کی ڈیوٹی میں بھی شامل ہو کر خوش ہونے لگی کہ اب میں مردوں کے شانہ بشانہ "مساوی حقوق" سے بہرہ ور ہو گئی ہوں۔

اسی طرح جناب نبی اکرم ﷺ نے "امر بالمعروف و نھی عن المنکر" اور حکومت کے غلط طرز عمل پر نقد و جرح کو فرائض میں شمار کیا ہے جو حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی کسی تقسیم کے بغیر معاشرہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے کو جہاد قرار دیا ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ جو شخص دیکھتے جانتے ہوئے بھی غلط کو غلط نہیں کہتا، وہ شریعت کی نظر میں مجرم ہے۔ مگر مغرب نے آزادی رائے اور حکومت کی غلط پالیسی پر اسے ٹوکنے کو فرائض کے زمرہ سے نکال کر حقوق کے دائرہ میں شامل کر لیا، جس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ یہ ایک اختیاری امر بن گیا اور دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ "حقوق" کے تصور نے اقتدار اور اپوزیشن کی صف بندی کر دی اور پوری قوم کو حصوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔

یہ چند مثالیں اس باب کو واضح کرنے کے لئے پیش کی گئی ہیں کہ مغرب نے "حقوق و فرائض" کو خلط ملط کر کے انسانی معاشرہ کی گاڑی کے دونوں پہیوں کا توازن بگاڑ دیا ہے جس کی وجہ سے گاڑی مسلسل لڑکھڑاتی چلی جا رہی ہے جبکہ جناب رسالت مآب ﷺ نے حقوق و فرائض میں توازن قائم کی اور اس کا عملی نمونہ خلافت راشدہ کی صورت میں کر کے دنیا کو دکھا دیا۔

سامعین گرامی قدر!

مغرب سے انسانی حقوق کے حوالہ سے دوسری بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ حقوق کے تعین کا معیار قائم کرنے میں اس کی نگاہ انسانی معاشرے کی وسیع تر ضروریات کا احاطہ نہ کر سکی۔ مغرب نے حق کے تعین میں معیار یہ پیش کیا کہ ہر شخص کو اپنی مرضی پر عمل کرنے کا حق ہے، جب تک کہ دوسرے شخص کی آزادی متاثر نہ ہو۔ اس طرح مغرب نے حق اور ناحق، جائز اور ناجائز کے تعین میں شخصی مفادات و ضروریات میں

ہم آہنگی یا ٹکراؤ کو بنیاد بنایا اور اس سے آگے نسل انسانی اور انسانی معاشرہ کی اجتماعی ضروریات و مفادات تک اس کی نگاہ نہ جا سکی، جس کا خمیازہ مغرب کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

مثلاً مرد عورت کے اختلاط میں مغرب نے یہ تصور پیش کیا کہ جس درجہ کے اختلاط پر وہ دونوں باہم رضامند ہوں، کسی تیسرے کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی قانون کو گرفت کرنی چاہیے۔ یہاں مغرب نے مرد اور عورت کی باہمی رضامندی تو لی مگر پورے معاشرہ پر اس اختلاط کے اثرات کو نہ دیکھ سکا جس کے نتیجے میں کنواری ماؤں اور ناجائز بچوں کے تناسب میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور فیملی سسٹم تباہی کی آخری حدود کو چھو رہا ہے جبکہ جناب نبی اکرم ﷺ نے مرد و عورت کی اس باہمی رضامندی کو بھی جرم قرار دیا ہے جو پورے معاشرے کے لیے منفی نتائج کا باعث بن سکتی ہو اور مرد کے اختلاف اور میل جول کا ایک دائرہ قائم کر کے باقی ہر قسم کے میل جول سے منع فرما دیا ہے، کیونکہ کسی بھی عمل کے جائز ہونے کے لیے صرف اس عمل کے دو فریقوں کا رضامند ہونا کافی نہیں بلکہ انسانی معاشرہ کا اس کے منفی اثرات سے محفوظ رہنا بھی ضروری ہے اور یہی بنیاد ہے اس توازن کی جو رسول اللہ ﷺ نے مرد و عورت کے تعلقات کے حوالہ سے قائم فرمایا ہے۔

اسی طرح سود کے بارے میں مغرب نے کہا ہے کہ جب سود لینے اور دینے والے آپس میں متفق ہیں تو کسی اور کو کیا اعتراض ہے؟ یہاں بھی مغرب نے دو افراد کی رضامندی کے محدود دائرہ کو بنیاد بنایا جبکہ جناب رسالت مآب ﷺ نے معاشرہ پر مجموعی طور پر اس کے منفی اثرات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ آج سودی معیشت نے جس طرح پوری دنیا کو چند مخصوص گروہوں کی معاشی اجارہ داری کے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے وہ اسلامی تعلیمات کی صداقت اور جناب رسالت مآب ﷺ کی خداداد فہرست و بصیرت کی روشن اور کھلی شہادت ہے۔

ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے حوالہ سے ہمیں آج کھلے دل و دماغ کے ساتھ انسانی حقوق کے مغربی تصور کا جائزہ لینا چاہیے اور اس کے وسیع تر پراپیگنڈہ سے مرعوب ہونے کے بجائے اس کو کھوکھلے پن کو تقابلی مطالعہ کے ساتھ سامنے لا کر تعلیمات و احکام کو واضح کرنا چاہیے تاکہ مشکلات و مصائب کے صحرا میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کی اسوۂ حسنہ کے شفاف اور خوش ذائقہ چشمہ حیات کی طرف راہنمائی کی جا سکے۔

حضرات گرامی قدر!

مغرب اور انسانی حقوق کے حوالہ سے گفتگو چلی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کے فلسفہ کی فکری بنیادوں سے ہٹ کر اس کے واقعاتی پہلوؤں پر بھی کچھ معروضات پیش کر دی جائیں، بالخصوص اس تضاد اور دو عملی کے پس منظر میں جو مغرب نے عالم اسلام کے بارے میں اختیار کر رکھا ہے اور جس نے یہ بات پوری طرح واضح کر دی ہے کہ مغرب کے نزدیک "انسانی حقوق" کسی فلسفہ یا اصول کا نام نہیں بلکہ یہ محض ایک ہتھیار ہے جو اس نے مخالف اقوام پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اختیار کر رکھا ہے۔ ورنہ مغرب جو ووٹ، الیکشن اور بیلٹ بکس کے تقدس کا علمبردار ہے اور غیر جمہوری حکومتوں کا اپنے ساتھ برابر کی سطح پر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا، الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی انتخابی کامیابی پر آتش زیر پا کیوں ہے؟ اور اسلامک فرنٹ کی جمہوری قوت کو کچلنے کے لئے الجزائر کی غیر جمہوری حکومت کی پشت پناہی کیوں کر رہا ہے؟ آج اس مغرب کو بوسنیا کے خلاف سربوں کی جارحیت اور بوسنیا کے مسلمانوں کا گاجر مولی کی طرح کٹتے چلے جانا نظر نہیں آرہا، صرف اس لیے کہ جن کی عصمتیں لٹ رہی ہیں اور جن کی گردنیں کٹ رہی ہیں، وہ مسلمان کہلاتے ہیں اور مغرب، سلامتی کونسل کی اٹھک بیٹھک اور زبانی جمع خرچ کے ساتھ سربوں کی مکمل فتح کا انتظار بلکہ عملاً اس کے لئے راہ ہموار کر رہا ہے۔

سامعین ذی وقار!

اس مغرب کو وادی کشمیر میں گھر گھر بہنے والا خون بھی نظر نہیں آرہا اور نہ حوا کی بیٹیوں کی دل فگار چیخیں مغرب کے کانوں تک پہنچ پا رہی ہیں۔ کشمیر میں انسانی حقوق کے ساتھ ہولی کھیلی جا رہی ہے مگر چونکہ مرنے والے مسلمان ہیں اور ان کے ساتھ مغرب کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے، اس لئے کشمیر کے حوالے سے مغرب کے کان اور آنکھیں بند ہیں اور اس کے انسانی حقوق کے سارے کے سارے فلسفے مصلحتوں کے فریزر میں منجمد پڑے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ کشمیر، بوسنیا، فلسطین چیچنیا نے اور اب شام کے خلاف روسی جارحیت کے حوالہ سے منافقانہ طرز عمل نے مغرب کے چہرے سے "انسانی حقوق" کا ریاکارانہ نقاب نوچ پھینکا ہے اور اس کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے کر دیا ہے جس کے بعد اس کے پیش کردہ انسانی حقوق کا ظاہری بھرم بھی قائم رہتا نظر نہیں آتا۔ اس لیے مسلم علماء اور دانشوروں کو چاہیے کہ وہ حوصلہ اور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھیں فلسفہ اور متوازن نظام وہی ہے جو جناب رسالت مآب ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور آج بھی انسانی معاشرہ کی فلاح و کامیابی اسی نظام کو اپنانے پر منحصر ہے۔

نجوم ھدایت

مرداس کا بیٹا

عبد اللہ فارانی

باپ نے انہیں ایک بت دیا۔ بت کا نام ضمار تھا۔ یہ اس کی پوجا کرنے لگے، اس لیے کہ باپ نے یہی حکم دیا تھا۔ ان کا پورا قبیلہ بتوں کی پوجا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت وہ ضمار کی پوجا کر رہے تھے کہ انہیں محسوس ہوا، کوئی کہہ رہا ہے:

"نبی آخر الزمان کا ظہور ہو چکا ہے اور ضمار کی بربادی کا وقت آگیا ہے۔"

چند دن بعد انہوں نے ایک کڑک دار آواز سنی، وہ اس وقت گہری نیند سو رہے تھے۔ اس آواز سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ بولنے والا نظر تو نہ آیا، البتہ وہ کہہ رہا تھا:

"نبی آخر الزمان کا ظہور ہو چکا ہے اور ضمار کی بربادی کا وقت آگیا ہے۔"

اب تو ان کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں، انہوں نے ضمار کو آگ میں ڈالا اور خود نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔

ان کا نام حضرت عباس بن مرداس تھا، یہ مشہور صحابیہ حضرت خنساءؓ کے سوتیلے بیٹے تھے۔ حضرت خنساءؓ عرب کی مشہور شاعرہ تھیں، ان کی تربیت کے اثر سے حضرت عباس بن مرداسؓ بھی شاعر تھے۔ اپنے قبیلے بنو سلیم کے سردار بھی تھے۔ گھوڑوں کی سواری کے ماہر تھے۔ اسلام لانے سے پہلے بھی شراب نہیں پیتے تھے بلکہ شراب سے نفرت کرتے تھے۔

جن دنوں انہوں نے اسلام قبول کیا، ان دنوں نبی اکرم ﷺ مکہ معظمہ کی فتح کی تیاری میں مصروف تھے۔ آپ نے حضرت عباس بن مرداسؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ واپس اپنے قبیلے میں چلے جائیں اور قبیلے کے مسلمانوں کو ساتھ ملا کر القدید کے مقام پر آجائیں، چنانچہ یہ واپس اپنے قبیلے میں گئے۔ پر اثر انداز میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ بنو سلیم کے زیادہ تر لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور اپنے بتوں کو جلا کر اسلام لے آئے، حضرت عباس بن مرداسؓ کی بیوی بنت ضحاک نے اسلام قبول نہ کیا، الٹا ان کے اسلام لانے پر سخت ناراض ہوئی، انہیں برا بھلا کہہ کر اپنے خاندان والوں میں چلی گئی۔ حضرت عباسؓ نے

حضور نبی کریم ﷺ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا اور رمضان ۸ ہجری یعنی فتح مکہ کے موقع پر اپنے قبیلے کے نو سو مسلح بہادر سواروں کے ساتھ القدید کے مقام پر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ مکہ میں داخلے کے وقت وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس طرح وہ ان دس ہزار نفوس میں شامل ہو گئے جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے آسمانی کتاب تورات میں یہ پیشن گوئی کی گئی تھی کہ حضور ﷺ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوں گے۔

اس موقع پر حضرت عباس بن مرداسؓ نے اپنی شاعری کا نمونہ پیش کیا، ایک قصیدہ کہا جس میں اس فتح پر حد درجے خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

فتح مکہ کے بعد حضرت عباس بن مرداسؓ نے غزوہ حنین اور غزوہ اوطاس میں شرکت کی، انہیں مال غنیمت میں سے حضور ﷺ نے حصہ عطا فرمایا۔ غزوہ طائف میں بھی وہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے مؤرخ ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ ہر لڑائی میں فتح پر پُر جوش قصیدہ کہتے تھے۔

۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر بھی حضرت عباسؓ حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔

ان کی وفات کا سال معلوم نہ ہو سکا۔ مؤرخین نے اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی۔ بس اتنا ضرور معلوم ہوا ہے وہ حضرت عمرؓ کے دور تک زندہ تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ بصرہ کے قریب آباد ہو گئے تھے۔ وہاں سے اکثر بصرہ میں آتے رہتے تھے، وہاں کے لوگ ان سے احادیث سنا کرتے تھے۔

اللہ اُن سے راضی ہو۔

﴿کفایت شعاری﴾

آج لوگ دولت زیادہ کمانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اخراجات پر قابو نہیں پانا چاہتے۔ ان کی مثال پانی کے اس ٹینک کی سی ہے، جس کے اوپر سے پانی اندر گر رہا ہے اور نیچے سے بھی نل کھلا ہوا ہے۔

تجارت میں نفع کمائیں، مگر دولت کو دل میں جگہ نہ دیں، تجارت کریں، مگر کاروبار کو زندگی کا روگ نہ بنائیں کیونکہ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔

حالات حاضرہ

مولوی اور معاشرہ

اوریا مقبول جان

شیر شاہ سوری کے بنائے ہوئے پیمائش۔ زمین کے خوبصورت نظام کی بنیاد پر جب انگریز نے برصغیر پاک و ہند میں زمینوں کے ریکارڈ مرتب کرنے شروع کیے تو اس کے دماغ میں ایک طبقے سے شدید نفرت رچی بسی تھی اور وہ تھا اس سرزمین کا مولوی۔ انگریز کی آمد سے پہلے یہ لفظ معاشرے میں اس قدر عزت و توقیر کا حامل تھا کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء اپنے نام کے ساتھ مولوی کا اضافہ کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔

انگریز کی اس طبقے سے نفرت کی بنیاد 1857ء کی جنگ آزادی میں پڑی جس کے سرخیل یہی مسجدوں کے مولوی تھے۔ دلّی کی جامع مسجد سے جہاد کے اعلان نے برصغیر کے مسلمانوں کو اس آخری معرکے کے لیے تیار کیا۔ لیکن یہ تو گزشتہ پچاس سالوں کی وہ جدوجہد تھی جو مسجدوں کی چٹائیوں پر بیٹھ کر دین پڑھانے والے ان مسلمان علماء نے کی تھی۔ ٹیپو سلطان کی شہادت ایسا واقعہ تھا جس نے انگریز کو برصغیر میں قدم جمانے کا موقع فراہم کیا۔ ٹیپو سلطان کی موت کی خبر اس قدر خوش کن تھی کہ آج بھی ایڈمبرا کے قلعہ میں موجود ٹیپو کی نوادرات کے ساتھ یہ تحریر درج ہے کہ اس کی موت پر پورے انگلستان میں جشن منایا گیا۔ اس کے بعد انگریز نے ساری توجہ ان مسلمان مدرسوں کو بند کرنے، ان کو مسمار کرنے اور وہاں پر ہونے والے تدریسی کام پر پابندی لگانے پر مبذول کر دی۔ شاہ ولی اللہؒ کا خانوادہ برصغیر کا سب سے معتبر دینی خاندان سمجھا جاتا تھا۔

اسی کے ایک سپوت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے 1803ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا مشہور فتویٰ دیا اور برصغیر کو دارالحرب قرار دیا۔ یہی فتویٰ تھا جس کی بنیاد پر 1831ء میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک مسجدوں کی چٹائیوں سے اٹھی۔ سانحہ بالاکوٹ کے بعد یہ تحریک ختم نہ ہوئی بلکہ اس کی قیادت مولانا نصیر الدین دہلویؒ نے سنبھالی۔ 1840ء میں ان کی وفات کے بعد مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ اور ان کے بھائی عنایت علی عظیم آبادیؒ نے اس کو زندہ رکھا۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں یہی وہ

جماعت تھی جس نے اپنے شاگردوں کی صورت ایک مزاحمتی فوج تیار کی۔ مولانا احمد شاہ مدراسیؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مولانا فضل حق خیر آبادیؒ اور دیگر علماء کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کی قیادت میں جہاد کا فتویٰ جاری کیا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی قیادت مولانا احمد اللہ شاہ مدراسیؒ کر رہے تھے۔

جن کے بارے میں انگریز افواج اور انتظامیہ متفق تھی کہ وہ ان کا شمالی ہند میں سب سے بڑا دشمن ہے۔ آرکائیوز کے اندر موجود دستاویز میں اس مولوی کا جس قدر خوف خط و کتابت میں دکھائی دیتا ہے وہ حیران کن ہے۔ ان کے مقابلے میں ایک دوسرا طبقہ تھا جس کی وفاداریوں نے انگریز کے دل میں اپنی جگہ بنالی تھی۔ یہ تھا خطۂ پنجاب کا زمیندار، چوہدری اور نواب جنہوں نے مسلمانوں کی اس جنگ آزادی میں مجاہدین کے خلاف لڑنے کے لیے افرادی قوت فراہم کی۔ یہی نہیں بلکہ ان بڑے بڑے زمینداروں نے اپنے علاقوں میں جس طرح مسلمانوں کا خون بہایا اور انگریز کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبایا وہ تاریخی سچائی ہے۔ پاکستان کی اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے اکثر ممبران کے آباء واجداد مسلمانوں کے خلاف اس خونریزی کی قیادت کرتے تھے اور یہاں تک کہ ایک مسلمان جہادی کو مارنے کا معاوضہ صرف چند روپے لیتے تھے۔

پنجاب کی دھرتی کے یہ "عظیم سپوت" جن کی اولادیں آج ہماری سیاسی قیادت ہیں انگریز کے اس قدر وفادار تھے کہ جنگ عظیم اول میں جب فوج کی بھرتیاں شروع ہوئیں تو 1914ء میں 28 ہزار میں سے 14 ہزار پنجاب سے بھرتی ہوئے۔ 1915ء میں 93 ہزار میں سے 46 ہزار پنجاب سے اور 1916ء کے آخر تک پورے ہندوستان سے 2 لاکھ 23 ہزار نوجوان انگریز کے لیے لڑنے کے لیے فوج میں بھرتی ہوئے۔

ان میں سے ایک لاکھ دس ہزار پنجاب سے تھے۔ دوسری جانب 1857ء کی جنگ آزادی میں ہزاروں علماء کو پھانسیاں دی گئیں، توپ کے ساتھ باندھ کر اڑا دیا گیا، کالا پانی بھیجا گیا مگر ان کی تحریک زندہ و جاوید رہی۔ 1864ء میں انبالہ سازش کیس میں مولانا جعفر تھانیسریؒ، مولانا یحییٰؒ اور مولانا محمد شفیعؒ کو پھانسی کی سزا سنائی جاتی ہے۔ شوق شہادت کا یہ عالم کہ تینوں سجدہ شکر ادا کرتے ہیں۔ انگریز ڈپٹی کمشنر پارسن اگلے دن آتا ہے اور کہتا ہے "ہم تم کو تمہاری مرغوب سزا شہادت نہیں دیں گے بلکہ تمہیں تمام زندگی کالا پانی میں کاٹنا ہو گی۔ اس کے بعد یہ مشعل مستقل روشنی رہتی ہے۔ 1863ء پٹنہ سازش، 1870ء مالوہ سازش، 1871ء انبالہ

سازش، 1870ء راج محل سازش اور ایسی بے شمار بغاوتیں برصغیر کے اس مولوی کے سینے کا تمغہ ہیں جو بوریہ نشین تھا۔

انگریز جب ریونیو ریکارڈ مرتب کرنے لگا تو اس نے برصغیر اور خصوصاً پنجاب میں آبادی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک باعزت کاشتکار اور دوسرے غیر کاشتکار، کاشتکاروں میں وہ اعلیٰ نسل نواب، چوہدری، سردار، وڈیرے اور خان شامل تھے جنہوں نے انگریز سے وفاداری کے صلے میں زمینیں، جاگیریں اور جائیدادیں حاصل کی تھیں۔ جب کہ غیر کاشتکاروں میں محنت مزدوری سے رزق کمانے والے لوہار، ترکھان، جولاہے، موچی وغیرہ۔ انھیں عرف عام میں کمی یعنی کمترین کہہ کر پکارا جانے لگا۔

پنجاب میں کمی کمین ایک عام لفظ ہے جو ہر متکبر زمیندار کے منہ پر ہوتا ہے۔ ریونیو ریکارڈ میں ایک "فہرست کمیاں" مرتب کی گئی جس میں لوہار، ترکھان اور موچی، جولاہے کے ساتھ مسلمانوں کی قیادت کے دینی طبقے مولوی کو بھی شامل کر دیا گیا اور پھر گاؤں میں جو تضحیک کمی کمینوں کے حصے میں آئی مولوی کو بھی اسی تضحیک کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود اس طبقے نے مسجد کی چٹائی سے دین کی مشعل تھامے رکھی۔

ہزاروں دیہاتوں میں یہ واحد پڑھا لکھا فرد ہوا کرتا تھا لیکن بڑے زمیندار جو جاہل اور ان پڑھ تھے ان کی تذلیل سہتا، جوتیوں میں بٹھایا جاتا، کٹائی پر بیگار میں لگایا جاتا مگر کمال ہے اس مرد باصفا کا کہ صبح فجر پر مسجد پہنچتا، چبوترے پر کھڑے ہو کر اذان دیتا، لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا، بچوں کے کان میں اذان دیتا، نکاح پڑھاتا اور اس ظالم چوہدری کے مرنے پر اس کے لیے قرآن بھی پڑھتا اور دعا کے لیے ہاتھ بھی اٹھاتا۔ شہروں میں بھی مولوی کو مسجد کی ڈیوٹی تک محدود کر دیا گیا۔ معاشرے سے اس کا تعلق صرف تین مواقع پر ہوتا ہے۔

پیدائش کے وقت کان میں اذان، شادی کے وقت نکاح خوانی، اور موت پر مرنے والے کا جنازہ اور دعائے مغفرت۔ ملک بھر کی چھوٹی چھوٹی لاکھوں مساجد میں یہ امام ایک مزدور سے بھی کم تنخواہ پر امت کا سب سے اہم فریضہ یعنی اللہ کی جانب بلانا، ادا کرتے رہے، بچوں کو قرآن بھی پڑھاتے رہے اور پنجگانہ نماز کی امامت بھی۔ کبھی ایک سیکنڈ کے لیے بھی مساجد میں نماز لیٹ نہ ہوئی کہ مولوی اپنے مطالبات کے حق میں ہڑتال پر ہیں۔ اس معاشرے نے جو فرض عین انھیں سونپا انھوں نے معاشرے کے ہر شعبے سے زیادہ حسن وخوبی اور اخلاص کے ساتھ ادا کیا۔

اس سب کے بدلے میں انگریز کے اس تخلیق کردہ معاشرے نے مولوی کو کیا دیا۔ وہ قرآن جس کی تعلیم کو اللہ نے سب سے بہتر تعلیم قرار دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان معلموں اور طالب علموں کو افضل ترین قرار دیا۔ یہ طالب جو اس راستے پر نکلے شام کو ہر دروازے پر دستک دے کر کھانا اکٹھا کرتے ہیں اور پھر جو روکھی سوکھی مل جائے اسے نوش جاں کرتے ہیں۔ عالیشان کوٹھیوں میں رہنے والے اپنے بچوں کو انگریزی، فزکس، کیمسٹری کے لیے ہزاروں روپے ماہانہ دے کر بہترین استاد کا بندوبست کرتے ہیں، لیکن قرآن پڑھانے کے لیے انھیں ایسا مولوی چاہیے جو دو وقت روٹی لے کر خوش اور زیادہ سے زیادہ عید پر ایک جوڑا۔ جنھیں اپنے سگے ماں باپ کو موت کے بعد نہلانا نہیں آتا، اپنے باپ یا ماں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے مغفرت کی دعا کے دو حرف پڑھنے نہیں آتے وہ مولوی کا تمسخر اڑاتے رہے۔

اسے تضحیک کا نشانہ بناتے رہے۔ لیکن یہ مولوی اللہ کا بندہ اس معاشرے کی تمام تر ذلت و رسوائی کے باوجود پانچ وقت اللہ کی بڑائی اور سید الانبیاء کی رسالت کا اعلان کرتا رہا۔ وہ اگر سرکار کی کسی مسجد میں ملازم ہوا تو اس کی عزت و توقیر بھی پاؤں تلے روندی گئی۔ کسی اوقاف کے منیجر نے اس کو ہاتھ باندھ کر کھڑا کیا تو دوسری جانب کسی انگریز فوجی یونٹ کے کرنل نے بلا کر کہا، او مولوی تمہیں سمجھ نہیں آتی یہ تم کیا قرآن کے الٹے سیدھے معانی نکالتے رہتے ہو۔ انسان کے بچے بن جاؤ ورنہ کوارٹر گارڈ میں بند کر دوں گا۔ تمسخر، تضحیک، ذلت، لطیفے بازی سب اس مولوی کا مقدر تھی اور ہے۔ اب تو اگر کوئی اس حلیے کا شخص کسی چیک پوسٹ پر آجائے تو دہشتگردی کے شبے میں تلاشی کے عذاب سے بھی گزرتا ہے۔

لیکن اس سب کے باوجود اس دور کی پُر آشوبی میں دین کی اگر کوئی علامت ہے تو اس بوسیدہ سی مسجد کے چھوٹے سے کوارٹر میں رہنے والا مولوی۔ اسلام مولوی کا نہیں ہم سب کا ہے۔ اللہ قیامت کے روز مولوی سے نہیں پوچھے گا کہ تم نے دین کا علم حاصل کرنے اور پھیلانے میں اپنی ذمے داری ادا کی بلکہ ہر مسلمان سے یہ سوال ہو گا۔

اس سے بھی جو مسلمان کہلاتا ہے لیکن مسلمان بنتا نہیں اور اس سے بھی جو مسجد میں چندہ دے کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ دین کا فرض ادا ہو گیا۔ یہ رویہ جو گزشتہ دو سو سال سے انگریز نے اس معاشرے میں پیدا کیا ہے جس نے مولوی کو تمسخر کا نشانہ بنایا ایسے معاشرے میں جب ایک خاتون عالم دین اور پابند شرع شخص کو اوئے، ابے، جاہل اور ایسے ذلت آمیز الفاظ سے بلاتی ہے تو تعجب کیسا۔ ایسا وہ معاشرے کے کسی اور طبقے سے

کر کے دکھائے۔ زندگی جہنم نہ بنادیں اس کی، کسی پارٹی کے لیڈر کو اس طرح ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش کرے۔ ہر کسی کا زور مولوی پر چلتا ہے۔

﴿سب سے پہلے منصوبہ بندی﴾

اس وقت تک ہدف حاصل نہیں کیا جاسکتا، جب تک آپ اپنا ہدف واضح طور پر طے نہیں کر لیتے۔ اگر آپ کا ہدف غیر واضح اور دھندلا ہو گا تو آپ اپنے ہدف تک کبھی پہنچ نہیں پائیں گے۔ اس لیے آپ اپنے کاروبار، ملازمت، دعوت، تعلیم وتدریس اور جو کچھ آپ زندگی میں کرنا چاہتے ہیں، اس کے بارے میں مکمل آگاہی حاصل کریں اور اس کے مستقبل کے لیے اپنی بصیرت سے کام لیتے ہوئے ہر پہلو کا جائزہ لیں، پھر آپ کو بہت ہی شاندار نتائج حاصل ہوں گے۔ اپنی ساری صلاحتیں بروئے کار لاتے ہوئے اور اپنے ماحول کو مد نظر رکھتے ہوئے عمدہ منصوبہ بندی کریں۔

پاکستانیات

وطن عزیز کی قدر کیجئے !

ڈاکٹر دوست محمد خان
ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی

مملکتِ خداداد پاکستان جہاں ایک طرف سعودی عرب کے بعد کہ وہاں مسلمانان عالم کی جان وروح مکہ المکرمہ اور مدینہ منورہ آباد ہیں، اسلامی دنیا کا خوش قسمت ترین ملک ہے کیونکہ یہ اسلامی دنیا کا واحد ملک ہے جو 14 اگست 1947ء سے پہلے سطح زمین پر موجود نہیں تھا لیکن مسلمانان برصغیر کے ولولہ انگیز جوش وجذبہ اور بے مثال قربانیوں کے طفیل 1757ء میں سراج الدولہ کی استعمار کے خلاف جدوجہد اور شہادت سے لے کر 1857ء کی جنگ آزادی سے ہوتے ہوئے 3 جون 1947ء تک ایک طویل اور صبر آزما چومکھی جنگ کے بعد قائد اعظمؒ کی قیادت میں تشکیل پایا گیا۔ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت جو اس مقدس نظریہ کے تحت قائم ہوا جس کے تحت نبی ﷺ کی بے مثال قیادت میں مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ نے مل کر آج سے چودہ سو سال پہلے مدینہ منورہ کی پہلی اسلامی ریاست کی بنیادیں رکھی تھیں شاید اسی بناء پر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کو پہلا پاکستان قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا "مشیت الٰہی کے زبردست ہاتھ نے آخر کار اپنے رسول مقبول ﷺ کی تاریخی ہجرت سے مدینہ طیبہ میں ایک طرح کا پاکستان قائم کر دیا۔[خطباتِ عثمانی، ص ۱۴۰]۔

اہل پاکستان کی کتنی خوش بختی ہے کہ برصغیر پاک وہند کے ایک مستند، متقی اور مفسر قرآن نے تخلیقِ پاکستان کو مدنی ریاست کے مشابہ قرار دیا۔ شاید اسی مقدس روحانی بندھن، وربط کے طفیل ہماری بے انتہا نالائقیوں کے باوجود آج ہم ایشیاء کی تیسری اور دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری کوتاہیوں، کمزوریوں، مادہ پرستیوں، لسانی وعلاقائی تعصبات، جاہ واقتدار پرستی کی وجہ سے ہندوستان، روس، اسرائیل اور امریکہ نے اپنے لچ تلتے ہوئے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا دیا۔ لیکن الحمد للہ! کہ باقی ماندہ پاکستان بھی دنیا کے بہت سارے ممالک سے خداوندی فضل وکرم کی بناء پر آج بھی ہزار درجے بہتر و افضل ہے۔

وطنِ عزیز ایشیاء کے جس خطے میں واقع ہے اس کی سٹریٹیجک اہمیت سے وہ لوگ بخوبی واقف ہیں جو ان امور سے متعلق ہیں یا ایسے امور پر نظر رکھتے ہیں۔ موسموں، جغرافیائی محلِ وقوع، افرادی قوت، اور قدرتی وسائل سے مالا مال ملک ہونے کی بناء پر شہید حکیم محمد سعیدؒ نے بجا فرمایا تھا کہ "پاکستان "سورۂ رحمن" کی تفسیر ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے وہ سب مملکت خداداد میں پائی جاتی ہیں۔ شرط یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ رحمن میں بنی نوع انسان کو اپنی نعمتوں کی یاددہانی کراتے ہوئے پوچھا ہے کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، اسی طرح پاکستان کے چوہدریوں، وڈیروں، خان خوانین، سرداروں اور اگر جان کی امان پاؤں تو جرنیلوں سے بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ "تم لوگ مملکتِ خداداد میں قبضہ کئے ہوئے کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کہ گذشتہ ساٹھ برسوں سے اس کی نعمتوں کو بے دریغ کھا رہے ہو لیکن کبھی اس کا حق یا شکر ادا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اب تو بعض سرداروں کی طرف سے بات یہاں تک پہنچی ہے کہ "پاکستان نہیں، بلوچستان کی سالمیت عزیز ہے" اس کے علاوہ غضب خدا کا، پاکستان کے خلاف بھارت، افغانستان اور ایران تک سے "امداد" کو بخوشی قبول کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔

مجھے پاگل ہونے کی حد تک حیرانگی ہوتی ہے اور گریبان پھاڑنے کو جی چاہتا ہے جب یہ دیکھتا ہوں کہ وطنِ عزیز میں اس قسم کی وبائیں اور بلائیں کیسے پیدا ہو جاتی ہیں جو وطن و عزیز کے پاک نظریہ کے خلاف پاک وطن کے دشمنوں تک سے "مدد" لینے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے سیاستدانوں، مارشل لاؤں اور جاگیرداروں نے اس ملک کو بے انتہا نقصان پہنچا کر صوبوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی کی بجائے تعصبات، کدورتیں بلکہ موجودہ حالات کے پیش نظر تو دشمنیاں تک پیدا کر دی ہیں۔ لیکن میں ایک سوال پوچھتا ہوں کہ ان حالات کے پیدا کرنے میں بیچارے پنجاب یا پنجابیوں کا اس کے سوا کیا قصور ہے کہ آبادی کے زیادہ ہونے کی بناء پر پاک فوج میں ان کی تعداد زیادہ ہے حالانکہ پاک فوج میں بھرتی ہونا ہر پاکستانی کے لئے ایک کھلا آپشن ہے بشرطیکہ ان کی شرائط پر پورا اترے۔ فوج کا اپنا ایک لائحہ عمل ہونے کے ساتھ ساتھ عام طور پر فوج سویلین حکومت کے ماتحت ہوتی ہے ہاں مارشل لاء کی صورت میں دوسری بات ہے۔ فوج کی طرف سے جب بھی قومی سطح پر غلطیاں ہوئی ہیں تو ملک کے باقی حصوں کی طرح اہل پنجاب نے بھی اس کی مذمت کی ہے، جیسا کہ اکبر بگٹی کے قتل پر اہل پنجاب نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا

تھا۔ اہل سندھ کے نمائندے جناب زرداری صاحب نے بلوچوں سے ایک سیاستدان کی حیثیت سے معافی بھی مانگی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان کے مقتدر طبقات کی قومی غلطیوں میں عوام یا اپوزیشن کے سیاستدان ضروری نہیں کہ شامل سمجھے جائیں۔

یہ دراصل ہماری بڑی بدبختی اور کم بختی ہے کہ پاکستان کے تینوں چھوٹے صوبوں میں جب بھی کہیں کوئی نقصان یا ان کے مرضی کے خلاف کچھ کام ہو جاتا ہے تو سارا نزلہ پنجاب اور پاکستان پر ڈالنے کی کوشش ہوتی ہے۔ حالانکہ اس میں پنجاب کا کوئی قصور نہیں ہی نہیں ہوتا۔ جہاں تک پاکستان کی بات ہے تو وہ ایک نظریہ، ایک سرزمین اور مقدس خطے کا نام ہے۔ لہٰذا ایسے مواقع پر پاکستان کو برا بھلا کہنا یا پاکستان کی سالمیت کے خلاف منہ پھاڑ کر باتیں کرنا حد درجے کی ناشکری اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تکذیب ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرقی پاکستان کے بارے میں مغربی پاکستان کی بیوروکریسی اور فوجی حکومت سے مہا غلطیاں سرزد ہوئی تھیں لیکن اس کا جواب قطعاً یہ نہیں تھا کہ بنگالی مسلمان، ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ مل کر اندرا گاندھی کو لال قلعہ کی دیواروں سے دنیا بھر کے سامنے یہ کہنے کا موقع فراہم کر دیں کہ ہم نے دو قومی نظریہ کو خلیج بنگال میں ہمیشہ کے لئے غرق کر دیا ہے [خدا نہ کرے]۔

چار پانچ بھائیوں میں سے اگر کوئی ایک بھائی پاگل ہو جائے تو باقی چار اس کا علاج معالجہ کرتے ہیں اگر وہ لاعلاج ہو جائے تو اسے گھر میں باندھ دیا جاتا ہے لیکن غنڈوں اور بدمعاشوں کے حوالے کبھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس بات پر اگر ہم 1971ء میں عمل کرتے تو اسلامی تاریخ میں ہمارے ماتھے پر یہ داغ کبھی نہ بنتا کہ نوے ہزار معتبر فوج کو ہندو کے ہاتھوں قید کروا بیٹھے۔

آج ایک دفعہ پھر پاکستان کے بعض مخصوص لوگ مملکتِ خداداد کے خلاف زہر افشانی سے باز نہیں آتے۔ لیکن انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ خوبصورت ملک اللہ کی امانت ہے۔ میرا ایمان ہے کہ جس کسی نے بھی پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے معاف نہیں کیا ہے وہ ضرور دیدۂ عبرت نگاہ بنا ہے اور بنے گا۔

بنگلہ دیش بننے پر چین کے مشہور وزیر اعظیم چو این لائی نے بہت بلیغ تبصرہ کیا تھا کہ "اندرا گاندھی نے کانٹوں کی فصل بوئی ہے، طوفانوں سے کاٹے گی" دنیا نے دیکھ لیا کہ اندرا گاندھی اپنے محافظ کے ہاتھوں کس بے دردی سے کے ساتھ قتل ہوئی اور اس کا بیٹا راجیو گاندھی کس طرح تامل خودکش کے ہاتھوں ٹکڑے

ٹکڑے ہوا۔ بنگلہ دیش کا بنگلہ بندھو بھی اسی منزل کا راہی بنا۔ یحیٰ خان پر آج بھی لعن طعن ہوتی ہے اور اس کے اہلِ خاندان کہیں سامنے نہیں آسکتے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ آج جبکہ یہود و نصاریٰ اور ہنود گٹھ جوڑ کر کے مملکتِ خداداد کے خلاف ریشہ دوانیوں کے جال بچھا کر کبھی 2010ء اور کبھی 2016ء میں خاکم بدہن پاکستان کے ٹکڑوں پر مشتمل نقشے منظر عام پر لاتے ہیں، ہم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اپنے سارے اختلافات اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کی خاطر پس پشت ڈالیں۔ پاکستان میں رول آف لاء کے لئے ان سیاستدانوں، شخصیات، علماء، اداروں اور افراد کا ہاتھ مضبوط کریں جو ہمیں ان مسائل اور مصائب سے خلوصِ دل کے ساتھ نکالنے کی کوشش کریں نہ کہ پاکستان کو کمزور کرنی کی باتیں کر کے اپنے لوگوں کو اور بھی مسائل اور مصیبتوں سے دوچار کر لیں، پاکستان کے کسی گروہ، طبقے یا افراد سے شکوہ شکایت کی یہ صورت ہر لحاظ سے قابلِ مذمت ہے کہ مملکتِ خداداد کے خلاف کسی مذموم سازش کا حصہ بن جائے۔

ہمارے ہاں تو فیشن بن گیا ہے کہ قدرت کی طرف سے بھی کسی کو معمولی سی تکلیف مل جائے تو دوش پاکستان کو دیتے ہیں۔ اس کے برعکس پڑوسی ملک ہندوستان جا کر دیکھئے وہاں پچھتر فیصد (75%) لوگ ایک دھوتی اور بنیان میں ہوائی چپل پہنے دال پات کھاتے ہوئے ممبئی کی فٹ پاتھوں پر پیدا ہوتے ہیں اور وہی مر کھپ جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود دیش دیش کا مالا جپتے نہیں تھکتے۔

اسی طرح آپ دنیا بھر میں جا کر پھریئے کہیں بھی آپ کو ایسے لوگ نظر نہیں آئیں گے جو جس تھالی میں کھاتے ہوں اسی میں چھید بھی کرتے ہوں اور پیشاب بھی۔

دنیا میں گھوم پھر کر دیکھ لیں آپ کو ایسے جاگیر دار کہیں نہیں ملیں گے جن کے پاس اتنی جائیدادیں ہوں کہ صبح گھوڑے پر سوار ہو کر شام تک ان کے کھیتوں کا احاطہ نہ ہو سکے اور اس کے باوجود نہ ٹیکس ادا کریں اور نہ عشر و زکوٰۃ، پھر بھی نہ اللہ سے راضی اور نہ پاکستان سے خوش۔

اسی طرح پاکستان کے سرمایہ دار اور کارخانہ دار، کہ عام طور پر اِلا ماشاء اللہ، ٹیکس چوری کے ساتھ ساتھ ہزاروں یونٹ بجلی بھی ناجائز استعمال کرتے ہیں لیکن کبھی وطن عزیز سے اس طرح ٹوٹ کر محبت کا اظہار نہیں کیا جس طرح ضرورت ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس، وطن عزیز میں اور بھی بہت سارے لوگ اور گروپس ہیں جو پاکستان کی نعمتوں سے دن رات مستفید ہوتے ہیں لیکن زبان پر کبھی کلمہ خیر نہیں لاتے۔

اے میرے وطن کے لوگو! پاک سرزمین سے محبت کرو کہ یہ اسلام کا ملک ہے۔ عالمی حالات کی اس کڑی اور تپتی دھوپ میں یہ ہمارے لئے سروں کا سائبان ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ ہمیشہ ہمارے سروں پر چھتنار اور دیو قامت سایہ دار درخت کی طرح اسی مضبوطی کے ساتھ قائم ودائم رہے۔ آمین

﴿عادت بڑھانا﴾

ایک چھوٹا سا مسئلہ لے کر اسے حل کریں، ایک چھوٹی ذمہ داری لے کر اسے پورا کریں، ایک چھوٹا سا ہدف متعین کریں، اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں، اس طرح کام کرنے اور آگے بڑھنے کی عادت بڑھ جائے گی۔

عقل مند اور دانا شخص کے لیے ہر صبح جینے کی نئی امنگ لے کر آتی ہے۔ گزشتہ کل کی پریشانیوں کو بھلا کر آج نئے جذبے سے جینا شروع کر دے۔

دارالافتاء

دینی مسائل

مولانا مفتی محمد ایاز
رئیس جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور
مولانا مفتی محمد حسین
انچارج اسلامک ریسرچ لائبریری
جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

﴿روزے کی نیت﴾

سوال: کیا رمضان کے شروع میں پورے رمضان کے مہینے کا نیت کافی ہے یا روزانہ الگ الگ نیت کرنا ضروری ہے؟

جواب: جمہور فقہاء کے نزدیک ایک نیت کافی نہیں روزانہ نیت کرنا ضروری ہے۔ البتہ امام مالک کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے۔ لہٰذا روزانہ نیت کرنا ضروری ہے تاہم سحری کے لیے اٹھنا اور سحری کرنا بھی نیت کے قائم مقام ہے۔

ویشترط لکل یوم من رمضان نیۃ علی حدۃ عند عامۃ العلماء. [بدائع الصنائع:۲/۸۵]

﴿روزے کا کفارہ﴾

سوال: اگر کوئی شخص رمضان میں بالکل روزہ ہی نہ رکھے تو کیا اس کا کفارہ ہے یا صرف قضاء؟

جواب: رمضان جیسے مقدس مہینے میں قصداً روزہ نہ رکھنا انتہائی بڑا جرم ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قصداً بلا عذر رمضان میں ایک روزہ بھی افطار کرے گا وہ پورے عمر بھی روزے رکھے تو اس کا ثواب نہیں پا سکے گا۔ تاہم اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اس کے لیے صرف قضاء ہے کوئی کفارہ نہیں۔ ہاں اگر روزہ رکھ کر بلا عذر توڑ دے تو پھر کفارہ لازم ہو گا۔

واما عندنا بلا بد من النیۃ.... فلو امسک بدونھا صائما ویلزمہ القضاء دون الکفارۃ.

[ردالمحتار:۲/ ۴۰۳]

﴿اعتکاف اور نماز جنازہ﴾

سوال: کیا اعتکاف کے دوران اپنے کسی رشتہ دار میت کی آخری دیدار کے لیے مسجد سے نکل سکتا ہے؟

جواب: نہیں ایسا کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا، ہاں اگر کسی ضرورت مثلاً رفع حاجت کے لیے نکلا ہو اور راستے میں وہ میت کی آخری دیدار بھی کرے تو جائز ہے تاہم اس کے لیے الگ وقت دینا جائز نہیں۔

ولا یخرج لعیادة المریض ولا لصلاة الجنازة لانہ لا ضرورة الی الخروج۔
[بدائع الصنائع:۲/ ۱۱۴]

﴿صدقہ فطر﴾

سوال: کیا رمضان سے پہلے صدقہ فطر دے سکتا ہے اور صدقہ فطر کی مقدار بتائے؟

جواب: ہاں رمضان سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا جائز ہے۔ اگر پہلے ادا کیا ہو تو پھر رمضان یا رمضان کے بعد ادا کرنا ضروری نہیں۔ اگر گندم سے صدقہ فطر ادا کرنا ہے تو نصف صاع (دو کلو اور پینتالیس گرام) یا اس کی قیمت جو کہ آجکل تقریباً 90 روپے بنتی ہے۔ اور اگر کھجور، کشمش وغیرہ سے ہو تو ایک صاع (چار کلو چورانوے گرام) یا اس کی قیمت دے۔

والصحیح انہ یجوز لسنۃ او لسنتین وذکر لسنۃ او لسنتین وقع اتفاقا بل یجوز مطلقا لوادی عن عشر سنین۔[خلاصۃ الفتاویٰ:۱/۲۷۵]

﴿نماز تراویح کے متعلق﴾

سوال: بعض حفاظ ڈاڑھی کترواتے یا منڈاتے ہیں ان کے پیچھے تراویح پڑھنے کا کیا حکم ہے؟، اس طرح بعض حافظ باقاعدہ معاوضہ طے کر کے تراویح اور قرآن پڑھاتے ہیں اور قرآن کو ذریعہ آمدنی بناتے ہیں ان کے پیچھے تراویح اور ختم پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: ڈاڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم کتروانا بالاتفاق حرام ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز خواہ تراویح ہو پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

اسی طرح اجرت لے کر تراویح پڑھانا بھی ناجائز ہے ایسے حافظ کے پیچھے تراویح مکروہ تحریمی ہے۔

ان دونوں صورتوں میں اس طرح کے حفاظ کے پیچھے نماز تراویح پڑھنے کی بجائے الم ترکیف کے ساتھ تراویح پڑھ لینا بہتر ہے۔

ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ۔[در مختار مع الشامی:۶/۴۰۷]

حلق کردن لحیہ حرام است وگزاشستن آں بقدر قبضہ واجب است۔[اشعۃ اللمعات:۱/۲۲۸]

وان القراۃ شئ من الدنیالا تجوز وان الاخذ والمعطی اثمان لان ذالک یشبہ الاستئجار علی القراءۃ ونفس الاستئجار علیھا لا یجوز فکذا ما اشبہ.... ولا ضرورۃ فی جوازالاستئجار علی التلاوۃ ۔

[شامی:۲/۷۳]

فکرو دانش

دین کا کام محض خواہش و تمنا نہیں

ایک صفت اصلاح و تعمیر کے کارکنوں میں [یہ بھی] پائی جانی چاہیے کہ اعلاء کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین اُن کے لیے محض ایک خواہش اور تمنا کا درجہ نہ رکھتی ہو بلکہ وہ اسے اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔ ایک قسم کے لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو دین سے واقف ہوتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں، مگر اسے قائم کرنے کی سعی وجہد ان کا وظیفۂ زندگی نہیں ہوتی، بلکہ وہ نیکی اور نیک عملی کے ساتھ اپنی دنیا کے معاملات میں لگے رہتے ہیں۔ یہ بلاشبہہ صالح لوگ ہیں، اور اگر اسلامی نظامِ زندگی عملاً قائم ہو چکا ہو، تو یہ اس کے اچھے شہری ہو سکتے ہیں۔ لیکن جہاں نظامِ جاہلیت پوری طرح چھایا ہوا ہو اور کام یہ درپیش ہو کہ اسے ہٹا کر نظامِ اسلام اس کی جگہ قائم کرنا ہے، وہاں صرف اس درجے کے نیک لوگوں کی موجودگی سے کچھ نہیں بن سکتا۔

وہاں ضرورت ان لوگوں کی ہوتی ہے جن کے لیے یہ کام عین ان کا مقصدِ زندگی ہو۔ وہ دنیا کے دوسرے کام تو جینے کے لیے کریں، مگر خود جینا اُن کا اِس ایک مقصد کے لیے ہو۔ اس مقصد میں وہ مخلص ہوں۔ اِسی کی لگن ان کے دل کو لگی ہوئی ہو۔ اِس کے حصول کی کوشش کا وہ پختہ عزم رکھتے ہوں۔ اس کام میں اپنا وقت، اپنا مال، اپنے جسم و جان کی قوتیں، اور اپنے دل و دماغ کی صلاحیتیں کھپا دینے کے لیے وہ تیار ہوں۔ حتیٰ کہ اگر سر دھڑ کی بازی لگا دینے کی ضرورت پیش آجائے، تو وہ اس سے بھی منہ نہ موڑیں۔ جاہلیت کے جنگل کو کاٹ کر اسلام کی راہ ہموار کرنا ایسے ہی لوگوں کا کام ہے۔

معیشت و تجارت

آجر اور اجیر

خالد رحمٰن
ڈائریکٹر IPS اسلام آباد

وہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے سامنے ہی بیٹھ گیا، پھر عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس کچھ غلام ہیں (جن کی حالت یہ ہے کہ بعض اوقات) وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میری چیزوں میں خیانت کرتے ہیں، میری نافرمانی کرتے ہیں اور میں اُن کی ان حرکتوں پر ناراض ہو کر کبھی انہیں برا بھلا کہتا ہوں اور کبھی مارتا بھی ہوں۔۔۔ مجھے بتایئے کہ قیامت کے دن ان کی وجہ سے میرا کیا حال ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ تم سے جو جھوٹ انہوں نے بولے ہوں گے اور اس کے جواب میں تم نے جو سزائیں انہیں دی ہوں گی قیامت کے دن ان سب کا پورا پورا حساب کیا جائے گا۔ اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں کے بقدر ہو گی تو معاملہ برابر ختم ہو جائے گا، نہ تم کو کچھ ملے گا اور نہ تمہیں کچھ دینا پڑے گا۔ اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے کم ثابت ہو گی تو تمہارا فاضل حق تمہیں ملے گا اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے زیادہ ثابت ہو گی تو تم سے اس کا بدلہ اور قصاص ان کو دلوایا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ جواب سن کر وہ شخص آپ ﷺ کے پاس سے ایک طرف کو ہٹ کر رونے اور چیخنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا: کیا تم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے کہ "اور ہم قائم کریں گے قیامت کے دن انصاف کی میزانیں، پس کسی نفس پر کوئی ظلم نہیں ہو گا اور جس کا کوئی عمل یا حق رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا تو ہم اسے حاضر کریں گے اور کافی ہیں ہم حساب کرنے والے۔" [الانبیاء:۲۱:۴۷]

یہ سب کچھ سننے پر اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنے ان غلاموں کو آزاد کر دیا اور اب وہ آزاد ہیں۔ (ترمذی)

درحقیقت مالک اور ملازم یا افسر اور ماتحت کے درمیان تعلق بے حد نازک اور حساس ہوتا ہے۔ اس تعلق کی نوعیت ایسی ہے کہ فریقین کتنی ہی احتیاط کریں ان میں سے ہر ایک دانستہ یا نادانستہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ مالک کے لیے اگر وہ چاہے بھی تو ہر وقت ہر ملازم پر نگاہ رکھنا اور اس کی نگرانی کرنا ممکن نہیں ہوتا، چنانچہ اسے بہر حال ان پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ ملازم اگر اس اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھائے اور جان بوجھ

کر یا اپنی لاپروائی سے مالک کی دی ہوئی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک ادا نہ کرے تو بعض اوقات تو مالک کے علم ہی میں نہ آئے گا۔ لیکن اگر کوئی چیز اس کے علم میں آجائے تو بلاشبہ مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ملازم کی زیادتی کی بنا پر پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لیے اس کی روک ٹوک کرے اور اسے سزا دے۔ تاہم مالک کو ملازم کے ساتھ تعلق میں جو بالاتر حیثیت حاصل ہوتی ہے اس کی بنا پر یہ امکان ہو سکتا ہے کہ وہ روک ٹوک، بدزبانی اور ملازم کی توہین کا ایسا رویہ اختیار کر لے جس کی خواہ قانونی طور پر کوئی گرفت نہ ہو پائے لیکن وہ ماتحت اور ملازم کے لیے اذیت اور تکلیف کا سبب بنے۔ یوں ملازم کے جرم یا غلطی کے مقابلے میں سزا زیادہ ہو جائے۔

اسی لیے اہل ایمان کو خواہ وہ مالک اور آقا کی حیثیت میں ہوں یا ملازم اور ماتحت کی حیثیت میں، عدل واحسان کا حکم دیا گیا ہے۔ عدل وانصاف اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اور اسلامی معاشرتی نظام کی اساس ہے۔

عدل کے معنی برابر کے ہیں۔ یوں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر کوئی اس کے ساتھ برائی کرے تو وہ جواباً اسی قدر اس کا بدلہ لے لے۔ چنانچہ انسانوں کے درمیان باہم معاملات میں تصفیے کے لیے اسلامی قانون کی یہی بنیاد ہے۔ تاہم انسان کتنا ہی محتاط کیوں نہ ہو جذبات اور احساسات، اس کی شخصیت اور اس کے طرز عمل پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور اس امر کا امکان ہو سکتا ہے کہ اپنے ساتھ کی گئی کسی زیادتی کا بدلہ لینے کے عمل میں انسان سے جو زیادتی کا ارتکاب ہو جائے۔ یوں بھی انسانی زندگی میں بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ کسی عمل سے پہنچنے والی تکلیف اور نقصان کا ناپ تول کر کوئی اندازہ کرنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔

اسی طرح دنیا میں تمام لوگ مزاج اور طبعیت کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض نیک، نرم مزاج، صابر اور متحمل ہیں۔ دل ودماغ کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے حقائق کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ بعض غصہ ور، سخت مزاج اور تند خو ہوتے ہیں، جلد اشتعال میں آکر جذباتی بنیاد پر رد عمل ظاہر کرتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے عدل کے ساتھ ساتھ حسن سلوک اور احسان کی تعلیم بھی دی ہے اور اہل ایمان کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ بدلہ اور انتقام لینے سے گریز کرتے ہوئے زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیں۔ بصورت دیگر انہیں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر بدلہ لینے میں ان کی طرف سے کوئی زیادتی ہو جائے تو انہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں آخرت میں جواب دہی کرنی ہو گی۔ چنانچہ قرآن مجید کے الفاظ میں:

اور اگر سزا دو تو اتنی ہی جتنی تم کو تکلیف دی گئی ہے اور اگر صبر کر لو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔ (النحل:۱۶:۱۲۶)

ایک اور جگہ فرمایا گیا: اور برائی کا بدلہ ہی برائی ہے، تو نے اگر معاف کر دیا اور نیکی کی، تو اس کا ثواب دینا اللہ پر ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (الشوریٰ:۴۰)

مقالات و مضامین

موجودہ دور کے فکری چیلنجز

محمد سمیع اللہ سعدی
استاذ جامعہ فریدیہ، اسلام آباد

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری روز اول سے تاامروز جاری ہے۔ حق و باطل کی کشمکش قدیم تاریخ رکھتی ہے۔ مختلف میدانوں میں اسلام اور کفر کی جنگ صدیوں سے جاری و ساری ہے۔ نبی پاک ﷺ کی وفات ہوتے ہی اسلام کی فصیلوں میں دراڑیں ڈالنے کا ابلیسی عمل شروع ہوا جو بلا تعطل کے آج تک جاری ہے۔ حق و باطل کی اس طویل کشمکش میں جہاں اہل باطل اور اہل کفر کی ریشہ دوانیوں، سازشوں، نت نئے طریقوں سے حق کو ختم کرنے کی کوششوں، اپنے تمام تر وسائل و ساز و سامان کے ساتھ حق کو ملیامیٹ کرنے کی تگ و دو اور عسکری، فکری، علمی، سیاسی تہذیبی اور دیگر میدانوں میں حق پر حملہ آور ہونے کی داستانوں کی ایک طویل تاریخ ہے، وہاں باطل کے خلاف اہل حق کی کاوشوں، حق پر ڈٹنے اور مر مٹنے کے مبارک کجذبوں، غلبہ حق کے لئے جان و مال کی قربانیوں، باطل کے ایوانوں میں گرجدار للکاروں اور ہر میدان میں باطل کو منہ توڑ جواب دینے کی داستانوں کی بھی ایک حسین اور قابل رشک تاریخ ہے۔ دعوت و عزیمت کی یہ صبر آزما تاریخ ہمارے لیے مشعل راہ اور مایوس کن حالات میں شمع امید ہے اور دین اسلام کی حفاظت کے خداوندی وعدے کا مظہر اتم ہے۔ خلیفہ بلا فصل، جانشین پیغمبر اور یار غار و مزار کا الہامی جملہ "اینقص الدین وانا حی" رہتی دنیا تک امت مسلمہ کے سرفروشوں اور دین کے غمخواروں کے لیے دستور، لائحہ عمل اور ماٹو کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر دور میں دین اسلام کے محافظوں نے سنت صدیقی پر عمل کرتے ہوئے دین میں رخنہ ڈالنے والوں کا تعاقب کیا ہے۔

عصر حاضر میں سنت صدیقی دہرانے کی پھر اشد ضرورت ہے۔ آج کی دنیا علوم و فنون کی دنیا ہے، سائنس و ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی کا دور ہے، فلسفہ و عقلی موشگافیوں کا زمانہ ہے، آزاد خیالی اور نفس پرستی کا دور دورہ ہے، مادیت اور سرمایہ ہی اس دور کے انسان کا معبود اعظم ہے۔ انٹرنیٹ اور میڈیا نے دور اور قریب کے فرق کو مٹا دیا ہے۔ آج ماضی کے برعکس زیادہ تنوع، وسعت اور جامع منصوبہ بندی کے ساتھ باطل اسلام پر حملہ آور ہے۔ مزید براں مسلمان ماضی کی طرح قوت و طاقت میں نہیں ہیں۔ خلافت کا

سائبان مسلمانوں کے سر پر سایہ فگن نہیں ہے۔ آج کی دنیا کے اختیارات کی باگ ڈور مغرب کے ہاتھ میں ہے اور سیاست، معیشت، سائنس، ٹیکنالوجی، فلسفہ، فکر، تہذیب، غرض ہر میدان میں مغرب حاکم، امام اور کلی اختیارات کا مالک ہے۔ مغرب نے اپنی حاکمیت کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام پر جو طرفہ حملہ کر رکھا ہے۔ آج کے مسلمان خصوصاً ایک عالم دین اور فاضل کی ذمہ داری ماضی کے بر خلاف کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ امت مسلمہ کی بقاء، تحفظ اور دینی و ایمانی حفاظت وارثین انبیاء کے کندھوں پر ہے۔ موجودہ دور کے بڑے چیلنجز سے ہر عالم و فاضل کو باخبر رہنا چاہیے، اور ان کے سد باب اور توڑ کے لیے ہمہ جہت تیاری کرنی چاہیے، اور ان کے سد باب اور توڑ کے لیے ہمہ جہت تیاری کرنی چاہیے۔ امت مسلمہ کو علمی و فکری حوالے سے درجہ ذیل بڑے چیلنجز کا سامنا ہے:

سیکولرزم:

سیکولرزم عصر حاضر کے بڑے اور خطرناک فتنوں میں سر فہرست ہے۔ سیکولرزم کا مطلب دین کی دنیاوی معاملات، معاشرتی امور اور ریاستی مسائل سے علیحدگی ہے۔ دوسرے لفظوں میں سیکولرزم دین کو محض فرد کا ذاتی، پرسنل اور پرائیویٹ معاملہ سمجھتا ہے اور اجتماعی، معاشرتی اور ریاستی معاملات میں دین و مذہب کی مداخلت کا سختی سے مخالف ہے۔ جبکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور کامل دستور زندگی ہے، انسانی زندگی کا کوئی گوشہ خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، اسلامی شریعت سے باہر نہیں ہے۔ سیکولرزم اسلام کی کاملیت، جامعیت اور ابدیت کے لیے عصر حاضر کا سب سے بڑا خطرہ ہے۔ آج امت مسلمہ مجموعی طور پر دانستہ یا ناداستہ سیکولرزم سے متاثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ستاون اسلامی ممالک میں سے کسی میں بھی اسلام مکمل طور پر ریاستی سطح پر نافذ نہیں ہے۔ آج کا اسلام صرف چند عبادات تک محدود ہے۔ آج اسلامی معاشروں میں اسلام کے ریاستی و معاشرتی نفاذ کی بات ایک اجنبی اور ناقابل عمل نعرہ بن گیا ہے۔ ان حالات میں امت کے فکری و علمی رہنماؤں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ عصر حاضر کے سب سے بڑے فتنے کے خلاف علمی ہتھیار اٹھائیں اور اسلام کی جامعیت، کاملیت اور ابدیت کو عصر حاضر کے اسلوب، زبان اور اصطلاحات میں پیش کریں۔

الحاد:

انسانی معاشروں میں ایسے لوگوں کا وجود ہمیشہ سے رہا ہے جو مذہب اور خدا کے منکر تھے، لیکن عصر حاضر کی حیرت انگیز مادی ترقی اور سائنسی ایجادات کے بطن سے الحاد کی ایک عالمگیر تحریک نے جنم لیا ہے۔ الحاد روئے زمین پر تمام مذاہب کے انکار کا نام ہے۔ مذہب، دین، خدا، اور ایک برتر ہستی کے مطلق انکار کا نام الحاد ہے۔ ملحدین کے نزدیک مابعد الطبیعیات نام کی دنیا ایک وہم ہے۔ کائنات صرف موجود اور محسوس کا نام ہے۔ غیر محسوس، غیر مرئی، مابعد الطبیعی اور روحانی دنیا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ سب انسانی توہمات اور خیالات ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق الحاد معاصر دنیا کا مقبول ترین نظریہ ہے اور روزانہ ہزاروں لوگ الحاد کی بھینٹ چڑھ کر خدا اور مذہب کے مطلق انکار کا نظریہ اپنا رہے ہیں۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی ایجاد سے تو الحاد کا فتنہ ایک منظم اور مربوط تحریک میں تبدیل ہو چکا ہے۔ نیٹ پر ملحدین کی بے شمار ویب سائٹس، فورمز اور سوشل میڈیا پر متعدد پیجز اور گروپس موجود ہیں جن میں لاکھوں لوگ شامل ہیں۔ آج کے ملحدین کا سب سے بڑا ٹارگٹ دین اسلام ہے، کیونکہ باقی مذاہب اپنی عبادتگاہوں تک محدود ہیں اور خود ان کے ماننے والوں کے نزدیک وہ معاصر دنیا کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہیں۔ صرف دین اسلام ہی دنیا کا وہ واحد نظریہ اور یکتا دین ہے جو آج بھی انسانیت کے مسائل کا سب سے جامع اور کامل حل پیش کرتا ہے۔ الحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہونے کے ناطے ملحدین کی توپوں کا رخ مکمل طور پر اسلام کی طرف ہے اور نت نئے شبہات، اعتراضات اور تاریخ و سیرت سے ضعیف و موضوع روایات و عبارات کی بنیاد پر دین اسلام کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ جدید الحاد کا ایک منظم و مربوط رد پیش کیا جائے۔ ملحدین کی دسیسہ کاریوں کے مسکت جوابات دیے جائیں اور اس کے اعتراضات و اشکالات کی بنیادوں پر علمی و تحقیقی کام کیا جائے۔ ملحدین کے کام کا اگر ایک جائزہ لینا ہے تو نیٹ پر جرأت تحقیق کے نام سے ویب سائٹ، فورم اور فیس بک پیج پر نظر ڈالنے سے اس فتنے کی خطرناکی، ہولناکی اور عالمگیریت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جدیدیت:

مغرب صدیوں سے پادریوں اور کلیسا کی غلامی میں جکڑا ہوا تھا۔ اس جکڑ بندی کے خلاف سولہویں صدی میں مارٹن لوتھر نے ایک مضبوط تحریک شروع کی جس نے آگے چل کر پروٹسٹنٹ کے نام سے ایک

مستقل مکتب کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے بعد کلیسا و پاپائیت کے خلاف متنوع تحاریک اٹھیں اور ان تحاریک کی کوکھ سے ماڈرن ازم کی ایک ہمہ گیر تحریک نے جنم لیا۔ مغرب کے نامی گرامی فلاسفہ نے عقلی و فلسفیانہ بنیادوں پر ماڈرن ازم کی راہ ہموار کی اور زندگی گزارنے کے متعدد فلسفے خالص عقلی بنیادوں پر مغربی دنیا میں وجود مس آئے۔ ان تمام فلسفوں کا جامع عنوان ماڈرن ازم ہے جن میں قدر مشترک موجودہ دور کے انسان کو زیادہ سے زیادہ آزادی اور خود مختاری کا علمبردار بنانا تھا۔ یوں جدید مغربی دنیا نے آزادی، مساوات اور ترقی کے تین بنیادی اصولوں پر نظام زندگی کی تشکیل کی جس کے بطن سے سرمایہ دارانہ نظام، لبرل مغربی جمہوریت، انسانی حقوق کا عالمی چارٹر، سوشل سائنسز اور دیگر جدید نظام ہائے زندگی وجود میں آئے۔ سرمایے کو اس جدید نظام زندگی کا جزو اعظم اور روح کی حیثیت دی گئی ہے جس سے آگے چل کر دنیا کے وسائل پر ہر قیمت پر قبضہ کرنے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت اکٹھا کرنے کی عالمگیر سوچ پیدا ہوئی اور حرص و ہوس کی ایک ہمہ گیر فکر نے جنم لیا۔ جدیدیت کے اس فکری طوفان نے مغربی سے آگے نکل کر مشرقی و سالمی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آج صورتحال یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں جدیدیت اپنے تمام مظاہر و آثار کے ساتھ قائم ہے، اور دنیا کے سب سے کامل و جامع دین کے علمبرداروں نے اسے نظام زندگی کے طور پر مکمل قبول کر لیا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ جدید مغربی فلسفے اور اس کی حقیقت کو سمجھا جائے، اور اس جدید فلسفے کی کوکھ سے پیدا شدہ نظام ہائے زندگی کا ایک بھرپور تنقیدی جائزہ لیا جائے۔

مابعد جدیدیت:

مابعد جدیدیت کا فلسفہ جدیدت کے رد عمل میں وجود میں آیا۔ جدیدیت کے علمبرداروں نے آزادی، ترقی اور مساوات کی بنیاد پر ایک عالمگیر نظام تشکیل دیا اور جبر، قوت، طاقت، لالچ اور مکر و فریب کے ذریعے پوری دنیا پر جدیدت کا نظام مسلط کرنے کی کوشش کی۔ جدیدت کے ماننے والوں کے نزدیک اس وقت جدید کے اصول ایک آفاقی سچائی کی حیثیت رکھتے ہیں اور دنیا کے ہر خطے، ہر قوم، ہر مذہب اور ہر رنگ و نسل کے لوگوں کو جدیدیت کا نظام اپنانا ہو گا۔ اس ظلم و استبداد کے رد عمل میں مابعد جدیدیت کا نظریہ و فلسفہ وجود میں آیا۔ مابعد جدیدیت کی تعریف ایک فلسفی لیوٹارڈ کے الفاظ میں "مابعد جدیدیت عظیم بیانوں پر عدم یقین" ہے۔ مابعد جدیدیت کے علمبرداروں کے نزدیک اس دنیا میں اصول، نظریات، روایات، اقدار اور سچائی و حقیقت نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے اور نہ ہی دنیا میں آفاقی سچائی اور حقیقت مطلقہ کا کوئی وجود ہے۔ یہ

سب چیزیں اضافی ہیں۔ اضافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سچائی، حقیقت اور حق و خیر کا تعلق محض انفرادی پسند و ناپسند کے ساتھ ہے۔ ہر شخص کی سچائی، ہر شخص کا خیر اور ہر شخص کا حق الگ الگ ہے۔ اس لیے آفاقی سچائی کا تصور محض ایک دعویٰ اور دیومالائی داستان ہے۔

مابعد جدیدیت کے فلسفے کا اثر یہ ہے کہ آج کے انسان کی دلچسپی محض اپنے احساسات، جذبات اور عملی مسائل تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ آج کے انسان کے نزدیک زندگی کی تمام بحثیں مسئلہ اور حل کا نام ہیں۔ افکار، نظریات اور آئیڈیالوجی کے مباحث محض نظری ہیں جن کا عملی زندگی کی تشکیل اور مسائل کے حل میں کوئی کردار نہیں ہے۔ آج کے انسان کے نزدیک اصول، نظریات، اقدار، قواعد، ضوابط ماضی کی باتیں ہیں۔ اس لیے بعض مفکرین نے موجودہ دور کو "عدم منظریہ کا عہد" کہا ہے۔ مابعد جدیدیت کا فلسفہ جدیدیت سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہے۔ جدیدیت میں تو اصول کا مقابلہ اصول سے تھا، دلائل کے مقابلے میں دلائل تھے، جبکہ فلسفہ مابعد جدیدیت سرے سے اصول و دلائل کا ہی منکر ہے۔ جو انسان دلیل و نظریے کے وجود کا ہی منکر ہو، اسے کسی نظریے پر آمادہ کرنا اور کسی مذہب و عقائد پر لانا ایک کٹھن کام ہے۔ جدیدیت زدہ انسان کا مقابلہ تو اسلام کی آفاقیت، افادیت اور اسلامی نظام کو عقلی و فلسفیانہ بنیادوں پر ثابت کرنے پر موقوف ہے، جبکہ مابعد جدیدت سے متاثر انسان کو قائل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کے نظری پہلو کی بجائے اس کے عملی پہلو پر بھرپور توجہ دی جائے، انسان کی عملی زندگی کے ساتھ اسلامی احکام کے مضبوط اور لاینفک تعلق کو ثابت کیا جائے اور اسلام احکام پر عمل پیرا نہ ہونے کی صورت میں انسان کی عملی زندگی کے نقصانات اور اس کے درہم برہم ہونے کی بھرپور وضاحت کی جائے۔ الغرض زعمائے امت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اسلام کو محض ایک نظریہ اور آئیڈیالوجی کے طور پر پیش کرنے کی بجائے اسے ایک عملی اور پریکٹیکل نظام کے طور پر پیش کریں۔

تجدد پسندی:

سیکولرزم، الحاد، جدیدت اور مابعد جدیدیت کے افکار کی اٹھان مغرب سے ہوئی اور مغرب سے بقیہ دنیا میں پھیل گئے۔ ان فلسفوں نے دنیا کے ہر مذہب اور ہر نظام کو متاثر کیا۔ اسلامی دنیا میں ایک بڑا طبقہ زندگی ان جدید فلسفوں خصوصاً سے متاثر ہوا، خصوصاً وہ طبقہ جس نے مغربی تعلیمی اداروں یا اس طرز پر بنی ہوئی مسلم ممالک کی تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ ان فلسفوں خصوصاً جدیدت سے تاثر کا نتیجہ یہ نکلا کہ

اسلامی دنیا کے ایک بڑے طبقے نے دین اسلام کو ان جدید نظریات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اس میں قطع و برید اور کانٹ چھانٹ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دین اسلام میں موجود حالات کے مطابق تبدیلی، تغیر اور قطع و برید کلی و جزوی دونوں سطح پر ہوئی۔ دین اسلام میں جزوی یا کلی تبدیلی، ترمیم اور اصلاح کے علمبرداروں کو تجدد پسند اور متجددین کہتے ہیں۔ ان متجددین میں سے کسی نے معجزات و کرامات کے اسلامی تصور کو عہد جدید کے متضاد سمجھا تو اس کا انکار کیا، احادیث کو مطابقت میں رکاوٹ سمجھا تو اس پر ہاتھ صاف کیا، کسی نے اسلامی اصطلاحات پر ہاتھ ڈالا، کسی نے اسلام کے سیاسی نظام میں عہد حاضر کے لبرل سیاسی نظاموں کے مطابق تبدیلی کی ضرورت محسوس کی، تو کسی نے اسلام کے فقہ المعاملات میں تغیر کا بیڑا اٹھایا اور سود جیسے قطعی و اجماعی حرمت رکھنے والے حکم کی حلت کا نظریہ پیش کیا۔ کسی مفکر نے اسلام کے نظام عفت و عصمت پر تیشہ چلایا، تو کسی نے اسلام کے عائلی نظام کو نشانہ بنایا۔ کسی نے فقہ الجہاد میں تغیر کی ضرورت محسوس کی، تو کسی نے اسلام کے نظام تزکیہ و احسان کو اپنا ہدف بنایا۔

چونکہ ان ترمیمات و تغیرات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ علمائے دین اور اسلاف سے مضبوط رشتہ تھا، اس لیے اسلاف کے تذکرے اور علمائے پر روایت پسندی کی پھبتی کسی گئی اور ہر ممکن طریقے سے راسخ العلم قدیم علماء کی اہانت، مخالفت اور تمسخر و مذاق اڑانے کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ ان متجددین نے موجودہ دور میں دنیاوی سطح پر مسلمانوں کے زوال میں سب سے بڑی رکاوٹ علمائے دین اور اسلام کی اس تشریح اور اس فہم کو سمجھا جو نسل در نسل، سینہ بسینہ اور طبقہ بن طبقہ صحابہ کرام کے دور سے اب تک چلا آرہا ہے۔ ان متجددین کی مجالس، اقوال اور تصانیف میں مشترک طور پر مغرب کی مدح سرائی، مغربی نظام کی اصلحیت، نافعیت، مسلم دنیا کے مستقبل کے بارے مایوسی، دین اسلام کے متفقہ و اجماعی احکام پر اشکالات، اعتراضات اور اسلامی تاریخ اور اسلاف امت کی تحقیر نظر آئے گی۔ متجددین کی تحریروں و تقریروں میں تجدید، جدت، احیاء، اصلاحات، زمانے کے ساتھ ہم آہنگی، اجتہاد اور اس جیسے الفاظ کی کثرت ہے۔ ان کی نظر میں زوال کا سبب دین کی اصلی شکل و صورت پر اصرار ہے اور جس دن دین میں زمانے کے ساتھ تبدیلی و ترمیم کا راستہ کھل گیا، اس دن سے مسلمان ترقی کی دوڑ میں شامل ہو کر ترقی کی معراج پر پہنچ جائیں گے۔ یاللعجب۔

متجددین دنیائے اسلام کے ہر خطے میں اور ہر ملک میں پیدا ہوئے، لیکن بر صغیر، ترکی اور مصر کو متجددین کے مراکز کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ بر صغیر میں مرزا ابو طالب خان سے لے کر سر سید احمد خان، قیام پاکستان کے بعد تمنا عمادی، ڈاکٹر فضل الرحمن سے لے کر جاوید احمد غامدی تک متجددین کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ ترکی میں سلیم ثالث، محمود ثانی، مصطفیٰ کمال اتاترک سے لے کر شیخ احمد آفندی تک متجددین کی ایک لمبی کڑی ہے۔ مصر میں جمال الدین افغانی (موصوف اگرچہ اصلاً مصری نہیں تھے لیکن چونکہ ان کی فکر کو سب سے زیادہ فروغ مصر میں ملا، اس لیے مصری متجددین کے افکار اور کام سے واقفیت کے لئے جامعہ کراچی کے شعبہ تصنیف و تالیف کے سربراہ، جدیدیت و تجدد کی تردید میں قابل رشک مقالات لکھنے والے اور مغربی فکر و فلسفہ کے نبض شناس محترم خالد جامعی صاحب کا ایک طویل مقالہ "عالم اسلام، معرکہ ایمان و مادیت، جدیدیت و روایت قرن اول سے عصر حاضر تک" مفید رہے گا جو جامعہ کراچی سے نکلنے والے تحقیقی رسالے "جریدہ" کے پینتیسویں شمارے میں مکمل شائع ہو چکا ہے۔

﴿مقصد سے محرومی﴾

ہر انسان کامیابی کی شاہراہ پر دوڑنا چاہتا ہے، لیکن اکثر لوگوں کو ٹٹولا جائے تو کام کے جذبے سے خالی نظر آئیں گے۔

جن لوگوں کے پاس وقت پرکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے، وہ ہمیشہ اس کے ایک ایک لمحے سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے کامیابی و کامرانی کی منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

بامقصد آدمی کبھی محروم نہیں ہوتا، اس دنیا میں محروم وہ ہے، جو مقصد سے محروم ہو جائے۔

گوشہ خواتین

میں کیوں مسلمان ہوئی؟

انور غازی

اس خاتون کی زندگی کیسے بدلی؟ آیئے ان ہی کی زبانی ان کی روداد سنتے ہیں۔ میں امریکی معاشرے میں پلی بڑھی۔ ماضی کو یاد کر کے میں سوچتی ہوں کاش! میں جس دن پیدا ہوئی، اسی دن مری کیوں نہیں؟ جس معاشرے میں آنکھ کھولی، بظاہر پرکشش نظر آتا ہے لیکن اندر سے بالکل کھوکھلا اور دوغلا ہے۔

میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی۔ گھر میں کسی کو نماز پڑھنی نہیں آتی تھی۔ روزوں کا تو تصور ہی نہیں تھا۔ قرآن مجید کو جانتے تک نہیں تھے۔ ماں باپ نے صرف اتنا بتایا تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ والدین صبح گھر سے نکلتے تو رات کو ایک بجے تک لوٹتے۔ ہم سب بہن بھائی بھی ایک دوسرے سے بے خبر رہتے۔ ہفتوں بلکہ مہینوں تک ایک دوسرے سے ملاقات نہیں ہوتی۔ بہن بھائی ایک دوسرے کے لیے بیگانے بن گئے تھے۔

وقت گزرتا گیا۔ میری بہنوں کی شادی ہو گئی اور میں یونیورسٹی تک پہنچ گئی۔ میں صبح یونیورسٹی کے لیے نکلتی اور رات گئے لوٹتی۔ بھائی بھی ہفتوں ہفتوں تک گھر سے غائب رہتے۔ ماں باپ جو بچوں کے سر کا سایہ ہوتے ہیں وہ بھی اس معاشرے میں اتنے کھو گئے تھے کہ ان کو بچوں کا خیال ہی نہیں تھا۔

اس دوران پاکستان سے ہماری نانی آ گئیں۔ نانی بہت پرہیز گار اور متقی خاتون تھیں۔ ہم سے بہت پیار کرتی تھیں۔ انہیں جب ہمارے گھر کے ماحول کا پتا چلا تو بہت روئیں اور ہمیں سمجھانے لگیں، لیکن ہمیں تو ہوش ہی نہیں تھا۔ ان کی باتوں کو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔

وہ ہمیشہ میرے گھر سے باہر جانے اور میرے کپڑوں پر اعتراض کرتی تھیں لیکن میں توجہ نہیں دیتی تھی۔ ایک دن نانی نے مجھے ڈانٹا اور دوسرے کپڑے پہننے کے لیے کہا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے نانی کو ایک زوردار تھپڑ مارا۔ نانی بیچاری گر گئیں اور میں گھر سے نکل گئیں۔

بعد میں مجھے افسوس ہوا۔ اس دن میں بہت پریشان رہی۔ شام کو جلدی گھر آ گئی اور سو گئی، لیکن ایک انجانے سے درد نے مجھے سونے نہیں دیا۔ آدھی رات کے قریب نانی کے کمرے میں پہنچ گئی۔ نانی اس وقت تہجد کی نماز سے فارغ ہو گئی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ رو پڑیں اور مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ پہلی بار مجھے سکون سا ملا۔

اگلے دن نانی اماں نے مجھے نماز سکھائی اور پھر میں رفتہ رفتہ نماز پڑھنے لگی۔ اب میں یونیورسٹی بھی کم جانے لگی۔ سارا سارا دن قرآن پاک اور نماز سیکھتی۔ قرآن سے زیادہ کشش میں نے کسی اور کتاب میں نہیں دیکھی۔ چند دن تو یونیورسٹی بغیر پردے کے گئی، پھر نانی اماں کی محنت رنگ لائی اور میں نے شرعی پردہ شروع کر دیا۔

جب میں یونیورسٹی پردے میں گئی تو تمام سہیلیوں نے طرح طرح کی باتیں کیں۔ مجھے دہشت گرد کے نام سے پکارنے لگیں۔ جہاں بھی جاتی میرا مذاق اُڑایا جاتا۔ ٹیچرز جب کلاس آتے تو کہتے اس کی تلاشی لو، ایسا نہ ہو کہ ہمیں بم سے اڑا دے، لیکن میں سب کچھ برداشت کرنے لگی۔

جب یہ ساری باتیں میں نے اپنی دادی کو بتائیں تو انہوں نے مجھے مفتی رشید احمدؒ کی کتاب "شرعی پردہ" سے استقامت کے چند واقعات سنائے۔ ان میں ایک واقعہ یہ تھا کہ برطانیہ کے کسی کالج کی انگلش کی پروفیسر صاحبہ نے یہ کتاب پڑھ کر شرعی پردہ شروع کر دیا۔ وہ خاتون کہتی ہیں: "جب میں کالج گئی تو برقع اوڑھ کر گئی۔۔۔ وہ برقع فیشنی برقع نہیں تھا، بلکہ مسلمانوں والا برقع تھا جس میں چہرہ چھپ جاتا ہے اور مکمل پردہ ہوتا ہے۔ کالج میں داخل ہوئی تو سامنے سے اس شعبہ کی "ہیڈ" مل گئی۔ وہ برقع دیکھ کر انگلش میں کہنے لگی: "آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے" میں نے جواب میں کہا: "دماغ تو پہلے خراب تھا، اب ٹھیک ہوا ہے۔"

واقعتاً اللہ کے نافرمان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ جب اللہ کی محبت دل میں آجاتی ہے تو سارا فتور نکل جاتا ہے اور دماغ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ یا اللہ! سب مسلمانوں کا دماغ ٹھیک کر دے۔

اس باہمت خاتون کی ہمت دیکھ کر کالج کے دوسرے شعبوں کی استانیوں نے بھی پردہ کر لیا۔ اپنی شاگرد لڑکیوں کو بھی چادریں اوڑھا دیں۔ اللہ کا کرم دیکھیے! کالج کی مسموم فضا میں رہنے والی خاتون کو شرعی پردہ کی توفیق عطا فرمائی۔

پھر "ہیڈ" کی مخالفت اور طنز و تشنیع کے باوجود ان کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہیں آئی، بلکہ روبرو جواب دے کر اس کا منہ بند کرتی ہیں۔ ان کو دیکھ کر وہ بھی پردہ شروع کر دیتی ہیں۔

دادی جان کی یہ باتیں سن کر میری ہمت بندھی اور میں نے بھی ارادہ کر لیا کہ میں ہر حال میں شرعی پردہ کروں گی، خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں۔

جب میرے ماں باپ کو پتا چلا کہ میں نے شرعی پردہ کا تہیہ کر لیا اور کسی بھی طرح اس پر کمپرومائز کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں تو وہ مجھ پر خوب برسے، نانی کو بھی برا بھلا کہا۔ اسی اثنا ہمارے گھر میں ایک پارٹی کا

اہتمام ہوا۔ اس میں میرے باپ کے سب دوسروں کو شریک ہونا تھا۔ مجھے پہلے خبردار کیا گیا پارٹی والے دن بغیر پردے کے پارٹی میں شریک ہونا ہے، ورنہ ہمارے دوست ہم پر ہنسیں گے۔

جب پارٹی والے دن میں پردے میں آئی تو باپ نے بہت مارا۔ مجھے اور میری نانی کو اسی وقت گھر سے نکال دیا۔ اپنی ایک سہیلی سے کچھ رقم لے کر میں اور نانی پاکستان آ گئیں۔ میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں، جس نے مجھے اس غلیظ معاشرے سے نجات دلائی۔ شرعی احکامات اور اسلامی تہذیب و ثقافت پر عمل کرنے سے مجھے دلی سکون ملتا ہے۔ قرآن کی تلاوت کرنے سے میری روح خوشی سے سرشار ہو جاتی ہے۔

ایک اور داستان سنیے۔ میں نے ایک کٹر عیسائی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ میری والدہ ہر ہفتے چرچ لے جاتی تھیں۔ میرے والد ریاضی کے استاذ تھے۔ وہ مذہبی نہیں تھے۔ میں اپنی تعلیم کے دوران حیران و پریشان رہا کرتی تھی، کیونکہ مخصوص رسم و رواج اور چرچ میں حاضری کے ساتھ ساتھ میرے ذہن میں ایمانیات اور توحید سے متعلق بعض ایسے سوالات آتے تھے، جن کا جواب چرچ کے پاس نہیں تھا۔

پھر میں نے ناروے کی "اوسلو یونیورسٹی" میں مذہبی علوم کے شعبے میں داخلہ لیا۔ وہاں تاریخ اور تقابل ادیان کا گہری نظر سے مطالعے کے باوجود میں اسلام کے متعلق بدظنی کا شکار رہی۔ اسلام کو سمجھنے کے لیے میں جو کتابیں پڑھی تھیں، وہ صحیح نہیں تھیں، کیونکہ وہ مستشرقین کی لکھی ہوئی تھیں۔

ایک دن مجھے پاکستان کے ایک عالم کی لکھی ہوئی کتاب "دینیات" پڑھنے کو ملی۔ دوسرے دن سید قطب شہید مصریؒ کی "معالم فی الطریق" کا انگریزی ترجمہ پڑھنے کو ملا۔ ان دونوں کتابوں سے مجھے اپنے سوالات کا تسلی بخش جواب مل گیا۔

اس کے بعد میں نے ان کتابوں کو پڑھنا شروع کیا جنہیں مسلمان مفسرین نے لکھا تھا۔ قرآن کا انگریزی ترجمہ خریدا۔ اس کی آیات پر غور و خوض شروع کر دیا۔ جب میں اسلام کے متعلق پوری طرح یکسو اور مطمئن ہوئی تو اسلامی مرکز گئی اور کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

جب میں نے یونیورسٹی میں حجاب لینا شروع کیا تو میرے ساتھ بحث مباحثے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ نئی چیز ہمیشہ دوسروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرواتی ہے۔ شروع میں یقیناً مجھے شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن میں نے تمام مشکلات کو مسکرا کر برداشت کیا، کیونکہ میں سمجھتی ہوں ایمان کا جو بیش بہا دولت مجھے ملی اس کے مقابلے میں ان مشکلات کو کوئی حیثیت نہیں۔ تمام نو مسلموں کو چاہیے کہ اس راستے میں آنے والے

مصائب کو صبر و تحمل سے برداشت کریں۔ مجھے عمرہ ادا کرنے سے بہت سکون حاصل ہوا۔ میں مکہ مدینہ بار بار جانا چاہتی ہوں۔

امریکی نو مسلم "اینی" اسلام سے کیسے متعارف ہوئی۔ اس نے اسلام کیسے قبول کیا؟ یہ ایک عجیب وغریب کہانی ہے۔ اس نے اپنا پورا قصہ یوں بیان کیا: "میں ابھی پرائمری اسکول کی طالبہ تھی۔ ایک دن اپنی والدہ کے ہمراہ اپنے شہر کی پبلک لائبریری میں گئی۔

اس لائبریریوں کا یہ طریقہ کار ہے جب کبھی کسی قسم کی کتابیں ضرورت سے زائد ہو جائیں تو انہیں لائبریری میں برائے فروخت رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح لوگ ان کتابوں کو نہایت سستے داموں خرید لیتے ہیں۔ اتفاق سے اس لائبریری میں ایسی ہی کتابوں کی سیل لگی تھی۔

میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو میرے پاس چند کے تھے۔ میں نے ایک کتاب چند پیسوں میں خرید لی۔ میں نے اس کی قیمت اپنے جیب خرچ سے ادا کی، اس لیے میں نے اس کتاب کو بہت اہتمام کے ساتھ اپنے کمرے میں رکھ دیا۔

زندگی گذرتی رہی۔ میں ہائی اسکول پہنچ گئی۔ ہائی اسکول کے بعد مجھے کالج میں داخلہ مل گیا۔ میں سائنس کے بجائے آرٹس پڑھنا چاہا۔ کالج کی تعلیم کے دوران میں نے ایسے کورس منتخب کیے جب میں مختلف مذاہب پر تفصیلی موازنہ کیا جاتا ہے۔

میرے پروفیسر صاحبان نے خاص کر دنیا کے بڑے بڑے مذاہب عیسائیت، یہودیت اور اسلام کے بارے میں بڑے تفصیلی لیکچر دیے۔ ان پروفیسر صاحبان میں سے کوئی بھی مسلمان نہ تھا۔ میں نے یہ سب کورس آسانی سے پاس کر لیے۔ یہاں تک کہ میں کالج کی گریجویٹ بن گئی۔

اس کے بعد میں نے کام کی تلاش شروع کی۔ ملک کے اس حصے میں ایک عورت ذات آرٹس گریجویٹ کو کام ملنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ کئی مہینوں کی تھکا دینے والی کوشش کے بعد ہمت ہار کر چپ چاپ گھر میں بیٹھ گئی۔

اس بیزاری کو دور کرنے کے لیے گھر کی مختلف اشیاء کو قدرے گور سے دیکھنے لگی۔ اتفاقاً میری نظر اس کتاب پر پڑی جو میں نے پرائمری اسکول کے دوران خریدی تھی۔

یہ انسانی کمزوری ہے کہ جس چیز کی قیمت وہ خود ادا کرے، اسے وہ زیادہ مرغوب ہوتی ہے۔ میں نے اس کتاب کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ مٹی سے اٹی ہوئی تھی۔ میں نے مٹی کو صاف کیا، پھر اس کتاب کو لے کر اپنے کمرے میں بیٹھ گئی۔ چند سطور پڑھیں تو پتا چلا یہ نہ صرف ایک مذہبی کتاب ہے بلکہ نہایت دلچسپ بھی ہے۔

میں دن بدن اس کے مطالعے میں مگن رہتی۔ یہ کتاب اسلام کے بارے میں تھی۔ مجھے تعجب ہوا اس کتاب میں بیان کردہ اسلام اس اسلام سے بالکل مختلف تھا جو مجھے یونیورسٹی میں پڑھایا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ میرے پروفیسر جھوٹ بول رہے تھے اور اسلام کا غلط نقشہ پیش کر رہے تھے؟

اس کتاب کی تعلیم میرے دل میں گھر کرنے لگی۔ اس کے مطالعے سے مجھے سکون اور اطمینان ملنے لگا۔ دراصل یہ کوئی عام کتاب نہیں بلکہ قرآن کا انگریزی ترجمہ تھا۔ بالآخر میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر یہی صحیح اسلام ہے تو میں بھی مسلمان بنوں گی۔

تحقیق سے پتا چلا اسلام میں داخل ہونا نہایت آسان ہے۔ میں نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئی۔ مجھے اسلامی تہذیب و ثقافت بہت محبوب ہے۔ میں اسلامی طرز زندگی کو بدلنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں مسلمان ہو کر پر سکون ہوں۔

یہ چند داستانیں، رودادیں اور کہانیاں نمونے کے طور پر پیش کی ہیں۔ اس وقت جبکہ مسلمانوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ نو مسلموں کی بھرپور حوصلہ افزائی کی جائے۔ ان کے لیے قابل اعتماد ادارے بھی قائم کیے جائیں، تاکہ ان کی مشکلات ختم ہو سکیں۔ جو لوگ نو مسلموں کو مرتد کرنے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں، اس کی روک تھام ہو سکے۔ اگر ہم نے دنیا بھر کے نو مسلموں کی حوصلہ افزائی اور غمخواری نہ کی تو پھر ہمیں قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں اس کا حساب دینا پڑے گا۔

مسلمانوں کی تعداد کا گراف تیزی سے اوپر کی طرف جانا، یہ اس لطیف پیغام کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے اسلام کی فطرت لچک دی ہے۔ یہ اتنا ہی اُبھرے گا جتنا اس کو دبانے کی کوشش کی جائے گی۔ دنیا کو اسلام سے دور کرنے کی جتنی کوشش کی جائے گی یہ اتنا ہی اسلام کی حقانیت کو جاننے کے لیے بے تاب ہو گی۔

روشنی بہر حال اندھیرے کا پردہ چاک کر کے ہی دم لیتی ہے۔ جس طرح دنیا بھر کی تاریکیاں روشنی کی کرنوں کو نہیں مٹا سکیں، اسی طرح تمام استعماری طاقتیں بھی ایمان کا نور نہیں بجھا سکتیں۔ امریکا و یورپ اور اس کے ہمنواؤں کو سمجھ لینا چاہیے وہ اسلام اور مسلمانوں کو ختم نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اس کو تا قیامت زندہ رہنا ہے۔ اس کو کہیں نہ کہیں سے ضرور طلوع ہوتے رہنا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ سورج کو مٹانے والے خاک ہو جاتے ہیں اس پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔

اخبار واحوال

جامعہ و ملحقہ شعبہ جات کے معمولات و سرگرمیاں

انجنئیر شمس الحق آفریدی

جامعہ تبلیغ القرآن

اختتامی پروگرام بسلسلہ فاضلہ دینیات کورس:

- 17 اپریل 2016ء کو جامعہ میں فاضلہ دینیات کورس للبنات کے چوتھے بیچ (4th Batch) کا اختتامی پروگرام منعقد ہوا جس میں فارغ التحصیل طالبات میں اسناد تقسیم کی گئیں اور اعلیٰ پوزیشنز لینے والی طالبات میں انعامات بھی تقسیم کیے گئے۔ آخر میں رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب نے اختتامی بیان و دعا کی۔

مجلس مذاکرہ للبنات:

- 30 اپریل 2016ء کو جامعہ میں بنات منتظمہ کی فکری و روحانی تربیت کے لئے ایک روزہ مجلس مذاکرہ کا انعقاد کیا گیا۔ یہ مجلس 5 نشستوں پر مشتمل تھی۔ ۱۔ فکری تربیت، ۲۔ روحانی تربیت، ۳۔ مطالعہ نشست، ۴۔ سوال و جواب نشست، ۵۔ منتظمہ اجلاس۔ یہ معمولات صبح 9 بجے سے دن 12 بجے تک جاری رہے۔

اصلاحی بیان:

- 12 مئی 2016ء کو جامعہ میں رئیسِ جامعہ حضرت مفتی صاحب نے "قرآن و نماز" کے عنوان پر اصلاحی بیان کیا جس میں کثیر تعداد میں خواتین نے شرکت کی۔
- 19 مئی 2016ء کو خواتین کو مفتی محمد حسین صاحب نے "رمضان کے فضائل و مسائل" کے عنوان پر تفصیلی بیان کیا۔

دورۂ تفسیر القرآن افتتاح:

- 5 مئی 2016ء کو جامعہ میں 18 ویں دورہ تفسیر القرآن کا افتتاحی پروگرام منعقد کیا گیا۔ جس میں شیخ القرآن مولانا امیر حسین باچا صاحب اور مولانا سمیع الحق صاحب ہشتنگری نے افتتاحی بیانات

کیے۔ اس پروگرام میں علماء، طلباء، عوام اور خواتین نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اور 6 مئی کو حضرت مفتی صاحب نے درس قرآن شروع کیا جس میں علماء، طلباء، عوام اور خواتین نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

درسِ نظامی

مئی جون 2016ء

امتحانات:

- جامعہ کے طلباء وطالبات نے وفاق المدارس العربیہ کے تحت امتحانات میں شرکت کی۔ بنات کے لئے امتحانی مرکز جامعہ تبلیغ القرآن میں ہی تھا جبکہ بنین کا امتحانی مرکز دارالقرآن نمک منڈی میں مقرر ہوا تھا۔

شعبہ حفظ امتحانات:

- جامعہ کے شعبہ حفظ کے طلبہ نے وفاق المدارس العربیہ کے تحت امتحان میں شرکت کی۔

نتائج:

- وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت امتحانات کے نتائج رمضان کے مہینے میں سامنے آئے جس میں جامعہ کے طلباوطالبات نے نمایاں کارکردگی دکھائی۔ جامعہ کا نتیجہ الحمدللہ انتہائی تسلی بخش تھا۔

دورہ تفسیر القرآن میں شرکت:

- جامعہ کی طرف سے جامعہ کے طلباء کو مختلف دورہائے تفاسیر میں شرکت کے لیے مشائخ کے پاس بھیجا گیا اور جامعہ میں بھی دورہ تفسیر کا افتتاح ہوا جس میں تقریبا 400 کے قریب خواتین وحضرات اور طلبہ وطالبات شریک رہے۔

اساتذہ میٹنگ:

- جامعہ میں یکم جون 2016ء بروز بدھ بعد از نماز مغرب درسِ نظامی اساتذہ کا سالانہ اختتامی اجلاس ہوا جس میں آئندہ سال کے لئے لائحہ عمل طے ہوا جبکہ پچھلے تعلیمی سال کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ سال کے لیے اسباق اور انتظامات کا شیڈول مرتب کیا گیا۔

اختتام دورہ تفسیر القرآن:

- 24 رمضان بمطابق 29 جون 2016 کو جامعہ کا دورہ تفسیر اختتام پزیر ہوا۔ حضرت مفتی صاحب

نے آخری سورتوں کا درس دیا اور رقت آمیز دعا کے ساتھ اس درس کا اختتام ہوا جس میں کثیر تعداد میں خواتین وحضرات نے شرکت کی۔

تبلیغ القرآن تعلیمی سوسائٹی

ندائے اطفال:

- بچوں میں مطالعہ کا ذوق اور تحریر کی صلاحیت ابھارنے کے لئے سوسائٹی کی طرف سے یکم مئی کو چار ماہی ندائے اطفال کا تیسرا شمارہ شائع ہوا۔ جو کہ بچوں کی تعلیمی، فکری اور اخلاقی تربیت پر مشتمل ایک دلچسپ سلسلہ ہے۔

دفتر انچارج تقرری:

- سوسائٹی کے دفتری امور کی انجام دہی کے لئے باضابطہ طور پر HR ڈیپارٹمنٹ کی معاونت سے سوسائٹی کے لئے آفس انچارج جناب سید ذیشان جان صاحب کی تقرری کی گئی۔

تعارفی میٹنگز:

- تبلیغ القرآن تعلیمی سوسائٹی کے نظام ونصاب کے تعارف کے سلسلے میں مختلف اوقات میں مدارس وسکولز میں اس کی تشہیر کی جاتی ہے۔ اسی طرح مئی کے مہینے میں بھی کئی علماء اور مہتممین حضرات سے تعارفی میٹنگز ہوئیں۔

مختلف سرگرمیاں

درسِ قرآن اختتامی پروگرام:

- 7 مئی بعد نماز ظہر مولانا اقبال کے مسجد میں درس قرآن کے اختتام پر حضرت مفتی محمد ایاز صاحب کا بیان ہوا۔ اس سفر میں مولانا عابد علی صاحب اور جناب وزیر موسیٰ بھی ساتھ تھے۔
- 7 مئی 2016ء کو بعد عصر مدرسہ گل آباد سردریاب کے اختتامی پروگرام میں رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب نے بیان کیا اور اختتامی دعا کی۔
- 8 مئی 2016ء کو مدرسہ تعلیم القرآن والسنۃ فقیر آباد میں مولانا عبد الرب صاحب کی دعوت پر رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب نے درسِ قرآن کے اختتامی پروگرام میں بیان اور دعا کی۔
- 16 رمضان کو حاجی شیر محمد صاحب کے حجرہ میں تراویح میں ختم قرآن کا اختتامی پروگرام منعقد ہوا جس میں حضرت مفتی صاحب، امیر اعلیٰ صاحب، حاجی پرویز صاحب اور راقم الحروف نے

شرکت کی۔ آخر میں حضرت مفتی صاحب نے بیان فرما کر اختتامی دعا فرمائی۔

- 21 رمضان کو سعید آباد میں ملک ارشد صاحب کی مسجد میں ختم تراویح کا اختتامی پروگرام منعقد ہوا جس میں کثیر تعداد میں ساتھیوں نے شرکت کی۔ آخر میں حضرت مفتی صاحب نے بیان اور اختتامی دعا فرمائی۔
- 26 رمضان صبح 9 بجے مدرسہ فاروقیہ پنجہ غلام میں مولانا عبدالغنی صاحب کے دورہ تفسیر کے اختتام کے موقع پر حضرت مفتی صاحب نے آخری سورتوں کا درس دیا اور دعا فرمائی۔

سالانہ دستار بندی پروگرام:

- 22 مئی 2016ء کو قاری فضل ہادی صاحب کی دعوت پر ورسک روڈ ڈھیری کلی میں دستار بندی پروگرام میں رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب اور محترم وزیر صاحب نے شرکت کی۔
- 29 مئی 2016ء کو مدرسہ تعلیم القرآن افغانی کالونی میں مولانا مجاہد خان صاحب کی دعوت پر سالانہ دستار بندی پروگرام میں حضرت مفتی صاحب کا بیان ہوا اور حفظ و ترجمہ کے خادم طلباء میں انعامات اور اسناد تقسیم کی گئی۔

تنظیمی سرگرمیاں

یونٹ افغان کالونی وزٹ:

- 24 اپریل 2016ء کو بعد نماز مغرب رئیس جامعہ حضرت مفتی، نائب رئیس جامعہ مولانا حشمت علی صاحب، محترم سلمان صافی اور راقم الحروف نے یونٹ افغان کالونی کا وزٹ کیا اور ان کے تعلیمی معمولات اور تنظیمی سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔

شب مذاکرہ:

- 30 اپریل 2016ء کو مقننہ اور منتظمہ کے ارکان کی فکری و روحانی تربیت کے لئے شب مذاکرہ کا انعقاد ہوا۔ یہ مجلس 5 نشستوں پر مشتمل تھی۔ ۱۔ فکری تربیت، ۲۔ روحانی تربیت، ۳۔ مطالعہ نشست، ۴۔ سوال و جواب نشست، ۵۔ منتظمہ اجلاس۔ یہ معمولات رات 9 بجے سے رات 1 بجے تک جاری رہے۔

شب مذاکرہ؛ یک روزہ نفلی اعتکاف اور افطاری پروگرام:

- 3 جولائی 2016ء کو جامعہ میں منتظمہ ارکان کے لئے یک روزہ نفلی اعتکاف کا انعقاد کیا گیا اور شعبہ

تنظیم کے ارکان کے لئے افطاری پروگرام کا انتظام کیا گیا۔ جس میں تمام اراکین نے حصہ لیا۔

چار ماہی اجلاس عام:

- 6 مئی 2016ء کو جامعہ میں شعبہ تنظیم کے خاص و عام ارکان کے چار ماہی اجلاس عام کا انعقاد کیا جس میں دورہ تفسیر القرآن، خادم رمضان فوڈ پیکج اور زکوٰۃ مہم کے بارے صلاح مشورے کیے گئے۔

اجتماعی اعتکاف کا انتظام:

- 20 رمضان المبارک کو جامعہ میں حسب سابق اجتماعی اعتکاف کا انتظام کیا گیا جسمیں کثیر تعداد میں معتکفین حضرات نے حصہ لیا۔ جامعہ کی طرف سے معتکفین کے لیے معمولات کا شیڈول وضع کیا گیا تھا جس کے مطابق معتکفین نے اپنے معمولات کو باحسن طریقہ سرانجام دیے۔

جامعہ میں مہمانوں کی آمد:

- 14 اپریل 2016ء کو سید امجد علی شاہ صاحب اور حاجی ہارون صاحب چارسدہ جامعہ تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب سے نشست ہوئی۔
- 15 اپریل 2016ء کو بونیر سے مولانا طیب صاحب جامعہ تشریف لائے اور العلم ایجوکیشن سسٹم کے حوالے سے حضرت مفتی صاحب سے باتیں ہوئیں اور العلم اکیڈیمیا سکول کا وزٹ کیا۔
- 17 اپریل 2016ء کو قطر کے مولانا اکبر حسین اور کزئی صاحب جامعہ تشریف لائے۔
- 28 اپریل 2016ء کو مولانا عبدالوکیل صاحب اور مولانا عبد المجید صاحب ہنگو والے جامعہ تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب کے ساتھ نشست کی۔
- 5 مئی 2016ء کو ترناب چارسدہ سے مولانا شبیر صاحب اور مولانا کمال شاہ صاحب جامعہ تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب کے ساتھ مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔
- 5 مئی 2016ء کو جدہ سے جناب عنایت اللہ صاحب جامعہ تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب اور امیر اعلیٰ صاحب سے تفصیلی نشست ہوئی۔
- 18 مئی 2016ء کو مفتی محمد حسین صاحب مدرس جامعہ الرشید کراچی، جامعہ تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب اور امیر اعلیٰ صاحب سے تفصیلی نشست ہوئی۔

حفظ قرآن اختتامی پروگرام:

- 17 اپریل 2016ء کو رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب، نائب رئیس جامعہ ڈاکٹر حشمت علی صافی

صاحب اور سفیر جامعہ حاجی پرویز خان صاحب نے، محترم سید امجد علی شاہ اور محترم حاجی ہارون صاحب کی دعوت پر چارسدہ ریلوے اسٹیشن میں ان کے بیٹوں کے حفظ القرآن کے اختتامی پروگرام میں شرکت کی اور حضرت مفتی صاحب نے اختتامی بیان بھی کیا۔

- 6 مئی 2016ء کو حاجی سجاد صاحب کے بیٹے کے حفظ القرآن کے اختتامی پروگرام میں رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب اور قاری آیاز صاحب نے شرکت کی۔

نمازِ جنازہ شرکت:

- 13 اپریل 2016ء کو رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب، نائب رئیس جامعہ ڈاکٹر حشمت علی صاحب اور محترم ملک عبد الباسط صاحب جناب مولانا ارشاد الحق مدنی صاحب کی وفات پر ان کی رہائش گاہ پر اُن کے صاحبزادے مولانا حسین احمد مدنی صاحب سے تعزیت کے لیے گئے۔
- 26 اپریل 2016ء کو رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب، نائب رئیس جامعہ ڈاکٹر حشمت علی صاحب اور قاری آیاز صاحب محترم یوسف ظفر صاحب کے چچا کی نمازِ جنازہ میں شرکت کر کے ان کے پسماندگان سے تعزیت کی۔

شیخ القرآن میر سمیع الحق صاحب سے ملاقات:

- 4 مئی 2016ء کو رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب، مولانا عبد الباری راشد، مولانا لقمان احمد، مولانا عابد علی صاحب، قاری احتشام الحق اور محترم وزیر موسیٰ صاحب شیخ القرآن مولانا میر سمیع الحق افغانی صاحب سربند سے ملاقات کی اور ان سے دورہ تفسیر شروع کرنے کے سلسلہ میں دعا لی۔

اقراء سکول اینڈ کالج مری وزٹ:

- 6 مئی 2016ء کو رئیس جامعہ حضرت مفتی صاحب، نائب رئیس جامعہ ڈاکٹر حشمت علی صاحب اور چیئرمین KWS محترم ملک عبد الباسط صاحب، محترم عدنان صاحب اقراء سکول اینڈ کالج (مری) کے پرنسپل کی دعوت پر اُن کے کالج کا وزٹ کیا۔

خادم ویلفیئر سوسائٹی (KWS)

رمضان فوڈ پیکج:

- خادم ویلفیئر سوسائٹی معاشرے کے غرباء اور ضرورت مند افراد کی خدمت مختلف مواقع پر کرتا رہتا ہے۔ خصوصاً ہر سال ماہِ رمضان سے پہلے سینکڑوں خاندانوں کو مفت راشن کی فراہمی یقینی

بناتا ہے۔ امسال 5جون 2016ء بروز اتوار تقریباً 720ضرورت مند خاندانوں میں مفت رمضان فوڈپیکج تقسیم کیا گیا۔

اس تقریب میں مختلف سیاسی وسماجی ارکان، علاقے کے معززین اور تاجر برادری نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور اس سرگرمی کو سراہا۔اور آخر میں حضرت مفتی صاحب کے بیان اور دعا پر یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

خادم فری رزلٹ:

- 21جون 2016ء کو خادم ویلفیئر سوسائٹی کے مرکزی دفتر میں 9th اور 10th کلاس کا مفت نتیجہ دکھانے کا انتظام کیا گیا جس میں تقریبا 600طلباء وطالبات اس سہولت سے مستفید ہوئے۔ یہ رزلٹ تین طریقوں سے دکھایا گیا۔ (1)SMS کے ذریعے (2) فون کے ذریعے (3) گزٹ کے ذریعے۔

العلم اکیڈیمیا جونیئر سکول

مئی تاجون2016ء

- العلم جونیئر سکول میں پہلا ماہانہ ٹیسٹ منعقد ہوا جس میں بچوں کے نہایت حوصلہ افزا نتائج آئے۔
- بچوں اور اساتذہ کو یکم جون2016ء سے گرمیوں کی چھٹیاں دی گئیں۔
- بچوں کو گرمیوں کی چھٹیوں کے کام کے لئے Summer Packs دیئے گئے جبکہ چھٹیوں کے دوران بچوں کی تربیت کے حوالے سے والدین کی راہنمائی کے لئے تحریری ہدایات بھی دی گئیں۔
- چھٹیوں کے دوران سکول ایڈمن آفس کھلا رہے گا جبکہ سکول انتظامیہ بچوں کے حوالے سے آئندہ کے لئے لائحہ عمل مرتب کرے گا۔
- انتظامیہ چھٹیوں میں سکول کی کارکردگی، سہولیات وانتظامات کا تفصیلی تجزیاتی جائزہ لے کر آئیندہ کے لیے اقدامات اٹھائے گی۔
- سکول کے تدریسی عملہ کی استعداد کار بڑھانے کے لیے سالانہ کیلنڈر میں ماہ اگست میں ایک ماہ کی خصوصی تربیتی ورکشاپ طے ہے۔ اور انتظامیہ اس سلسلہ میں تدریسی مواد کی ترتیب وانتظام کو حتمی شکل دے رہے ہے۔